مکمل ناول
چاہتیں ایسی
2011 ★ Pakeeza Aanchal ★ 10

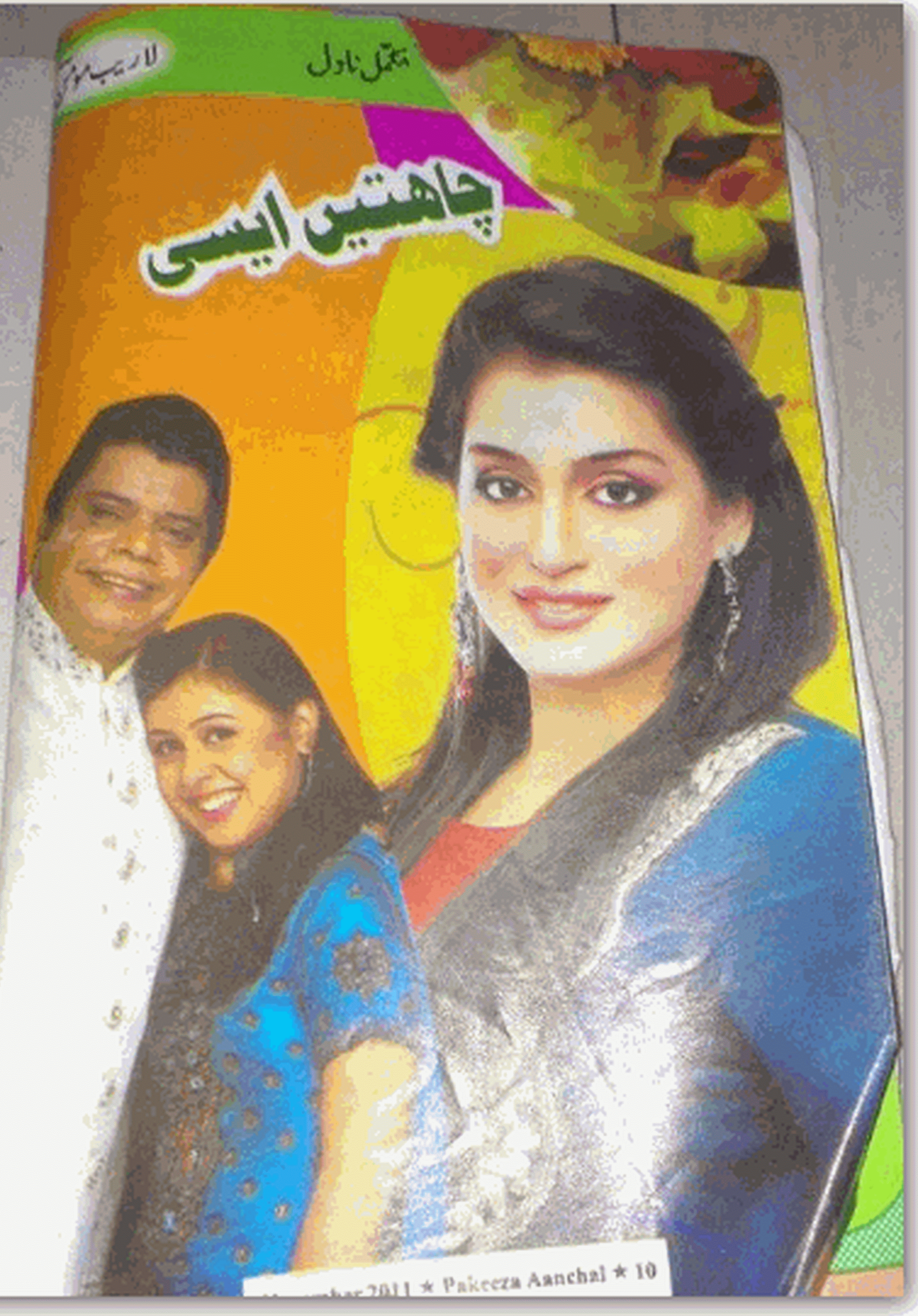

پیاری پاری!
السلام علیکم!
ایک تحریر "چاہتیں ایسی" اپنے محبوب ترین رسالہ پاکیزہ آنچل کے لیے لے کر حاضر ہوں
امید ہے کہ آپ کو اور قارئین کو پسند آئے گی۔
خالد بھائی کو سلام عرض ہے۔ الطاف بھی سلام کہتے ہیں۔ اور ڈھیروں دعائیں، پاکیزہ آنچل کی کامیابی و ترقی کے نام۔

والسلام
آپ کی بہن
لاریب مومن، بھیونڈی

"حولدار انکل آرہے ہیں"۔ کھڑکی کے پاس کھڑے واصف نے چیخ کر اطلاع دی۔

"او۔ نو۔ بھائی کچھ کریں ورنہ وہ چھٹی کے دن بھی پاپا کو ڈیوٹی پر لے جائیں گے"۔ صائمہ نے کہتے ہوئے پاس بیٹھے آصف کا کندھا زور سے ہلایا تھا۔

"کیا کر سکتے ہیں یار، حولدار انکل ٹلنے والے نہیں ہیں"۔ آصف بیچارگی سے بولا۔

"تو ٹالنے کو کون کہتا ہے۔ کچھ ایسا کریں کہ پاپا ان کے ساتھ نہ جائیں۔ سارا دن ہمارے ساتھ گزاریں۔ بھائی پلیز کچھ کریں۔ کتنی مشکل سے تو ایک دن ملتا ہے ہمیں پاپا کے ساتھ رہنے کو"۔ صائمہ کہہ رہی تھی ای دوران کال بیل بجنے لگی تو اس پر مزید عجلت سوار ہوگئی اور وہ مزید تیزی سے آصف کا کندھا ہلانے لگی تھی۔

"اوہ گاڈ! بیل بھی بجنے لگی ہے۔ آپی تو فوراً دروازہ کھول دیں گی اور وہ آکر پاپا کو بہکا کر لے جائیں گے۔ بھائی پلیز کچھ کرو ناں"۔

"کرتے ہیں یار فکر مت کرو۔ حولدار انکل آج پاپا کو نہیں لے جاسکتے"۔ واصف کو کوئی تدبیر سوجھ گئی تھی۔

"کیا کرنا ہے جلدی بتاؤ"۔ آصف اٹھ کر اس کی طرف آیا صائمہ بھی پیچھے لپکی اور بیڈ پر بیٹھا کاشف بھی چھلانگ مار کر تینوں کی طرف آگیا تھا اور

اسی وقت پاپا کی آواز ابھری تھی۔

"بدیعہ بیٹے دیکھو کون ہے، کب سے بیل بج رہی ہے"۔

"چاروں میں سے کسی کو توفیق نہ ہوئی دروازہ کھولنے کی"۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی تیزی سے کچن سے نکل کر دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"ہشام بھائی ہیں؟" اور جب اس نے دروازہ کھولا تو باہر کھڑے واثق نے فوراً پوچھا تھا۔

"جی آپ اندر آجائیں"۔ وہ کہہ کر پیچھے ہٹ گئی تو وہ اندر چلا آیا۔

"حولدار انکل اوپر آجائیں پاپا بلا رہے ہیں آپ کو" اسی پل کاشف کی شریر آواز ابھری تھی اور واثق نے برا سا منہ بنا کر کاشف سمیت ان تینوں کو بھی گھورا تھا جو شرارت سے مسکراتے ہوئے اوپر ہی کھڑے تھے۔

"کسی دن تم سب بہت پٹو گے مجھ سے"۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی وہ چڑا تھا اور کیوں نہ چڑتا کہ ان سب نے اُسے 'حوالدار انکل' بنا رکھا تھا اس کے آئی پی ایس کے رتبے کو خاطر میں لائے بغیر۔

"انکل سنیں تو"۔ وہ ان چاروں کو گھورتا ہی زینوں کی طرف بڑھا تھا جب پیچھے سے بدیعہ نے آواز دی مگر وہ ان سنا کیے آگے بڑھ گیا تو پیچھے اس نے پھر پکارا تھا۔

"آپ سنیں تو سہی انکل پاپا اوپر نہیں یہاں نیچے باتھ..."

"قریب کی جانے والی چیزوں سے میں خوب
واقف ہوں۔" وہ اس کی پوری بات سنے بغیر ہی تیزی
سے زینہ طے کر رہا تھا اور جونہی آخری سٹیپ پر قدم
رکھنے کو تھا سارے طبق روشن ہوگئے کہ آخری زینہ پر قدم
رکھتے ہی جانے کیسے پھسل گئے تھے اور وہ بے آرام سے
لڑھکتا ہوا نیچے چلا آیا تھا۔ وہ چاروں اوپر کھڑے
بے تحاشہ ہنس رہے تھے جبکہ بدیعہ انہیں گھور کر ہنسی
چھپاتی ہوئی اسے اٹھانے بھاگی تھی۔
"پہلے ہی کہہ رہی تھی اوپر نہ جائیں پاپا کہیں
چوٹ تو نہیں لگی، ہاتھ پیر تو نہیں ٹوٹے انکل۔"
وہ جھک کے پوچھ رہی تھی۔
"نہیں۔" وہ خفیف سا ہو کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا
اور اپنے کپڑے جھاڑنے لگا تھا جبکہ وہ چاروں ہنوز
ہنسی کنٹرول کر رہے تھے۔
"حوالدار انکل ہم یونہی نہیں کہتے ہیں آپ
کو۔ دیکھ بھال کر زینہ طے کرنا چاہیے تھا ناں۔ ہم
نے زینوں کی دھلائی کے لیے سرف ڈال رکھا ہے۔"
چاند بھی روک کر سنجیدگی سے کہتی ہوئی نیچے آگئی
تھی۔ پیچھے وہ تینوں بھی تھے شرارت آمیز سنجیدگی لیے
ہوئے۔
"زینوں کی دھلائی یا میری۔" وہ ان کی
شرارت سمجھ چکا تھا جس کی زد میں آ کر چاروں خانے
چت ہو چکا تھا اس لیے تو انہیں خشمگیں نگاہوں سے
گھورے جا رہا تھا۔ اور وہ چاروں بھی کم نہیں تھے دبی
دبی مسکراہٹوں سے اسے تپا رہے تھے۔
"انکل جی ہم زینہ ہی دھو رہے تھے۔ آپ
زد میں آ جائیں گے ہمیں کیا پتا تھا" واصف بولا۔
"تم لوگوں نے جان بوجھ کر مجھے اوپر بلایا تھا
تاکہ میں پھسل کر گر جاؤں۔"
"ہاں ہم نے بلایا تھا اور انکل جی آپ اتنے
بھولے ہیں کہ دوڑے چلے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے دو
آنکھیں دی ہیں ان کا استعمال کر سکتے تھے ناں
آپ" آصف ہنس رہا تھا۔
"دانت مت دکھاؤ ورنہ توڑ دوں گا کسی دن"

وہ شب ہی تھا۔ ارے ہیں جبھی وہ بھی میرے گھر میں
میرے ہی بچوں کو بھگا رہے ہو... ابھی ایک بچے سے...
احمد کی آواز ابھری تو وہ تیزی سے ان کی جانب گھوم
کر کہنے لگا۔
"ہشام بھائی یہ آپ کے بچے ہیں یا..."
"ہیں۔" "ہاں یہ دوسروں کے بچے ہی تیزی کرتے ہیں
تمہارے ہوتے تب پتا چلتا۔" وہ بیٹھتے ہوئے
بریف کیس رکھتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے تھے
"میرے بچے ہیں" وہ ہنستے ہوئے اس نے دوبارہ
بولا تھا۔
"ویسے یار تمہیں ہوتا کیا ہے۔ گھر میں مجھے
بھی میرے بچوں کے پیچھے کیوں پڑ جاتے ہو۔" ہشام
احمد نے بیٹھتے ہوئے ہی اسے اپنے پہلو میں بٹھایا
تھا۔
"اس لیے کہ جب آپ کے بگڑے نواب
میرے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ کسی دن میں بہت پیٹوں
گا کہہ دیتا ہوں بھائی۔" وہ ہنوز جھلایا ہوا تھا۔
"اور ہم چپ چاپ پٹ جائیں گے ناں۔"
آصف بڑبڑایا۔
"آصف بری بات۔" بدیعہ نے فوراً ٹوکا۔
"شرارت کی حد ہوتی ہے۔ چلو سوری کرو انکل سے۔"
"کیوں ہم نے کیا کیا؟" وہ چاروں یک
زباں ہو گئے۔
"بتاؤں کیا کیا تھا"۔ اس نے چاروں کو
گھوری لگائی تھی۔ "پاپا آج! ان چاروں نے انکل کو
....."
"اوہو چھوڑو بھی تم جاؤ اپنا کام کرو ان سے تو
میں سمجھ لوں گا"۔ وہ بات کاٹ کر چاروں پر تیز نظر
ڈالتا ہوا ہشام احمد سے کہنے لگا۔ "ہشام بھائی چھٹی کا
دن ہے میں نے سوچا جو کیس ہاتھ میں ہے اس پر آج
بھی کچھ کام کر لیا جائے چلتے ہیں ڈپارٹمنٹ؟"
"جی نہیں پاپا نہیں جائیں گے"۔ ہشام احمد

سے پہلے وہ چاروں بول پڑے۔

"ایک چھٹی ملتی ہے ہفتہ میں ہمارے پاپا کو اس میں بھی آپ آجاتے ہیں روز سے زیادہ لینے ہمارے پاپا کہیں نہیں جائیں گے بس۔"

"ہاں ہمارے پاپا آج پورا دن ہمارے ساتھ ہی رہیں گے۔"

"آپ کو کام کرنا ہے تو آپ جا کر کریں۔"

وہ فراٹے سے بول رہے تھے اور وہ کانوں میں انگلیاں دیے بیٹھا تھا۔ چہرے پر بیزاری تھی اور ہشام احمد کبھی روکتے روکتے بھی ہنس پڑے تھے۔

"یار اتنے بیزار کیوں ہو؟" انھوں نے ہنسی روک کر اسے دیکھا جو بیزاری سی شکل بنائے کانوں پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا۔ "یوں بھی میں چھٹی کے دن فری ہی رہنے کا قائل ہوں ہاں بس تمہارا جوش دیکھ کر بارہا تمہارے ساتھ چھٹی کے دن بھی کام کر لیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہر سنڈے کو آجاؤ کام کرنے یار میں بال بچوں والا بندہ ہوں تمہاری طرح چھڑا چھانٹ نہیں۔ کام کے علاوہ بھی کام ہوتے ہیں مجھے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا آدمی اتنے بچے پیدا کیوں کرتا ہے۔" وہ ہنوز بیزار تھا۔

"واثق بچے بدلو خود کو زندگی اس طرح نہیں جیا کرتے جس طرح تم جی رہے ہو۔"

اب کی وہ سنجیدگی سے مخاطب ہوئے تھے۔

"جیسے بھی جیتا ہوں اپنی مرضی سے جیتا ہوں ہشام بھائی اور خوش بھی ہوں۔" بڑی دیر بعد وہ مسکرایا تھا اور وہ صائمہ سے کہنے لگے تھے۔

"صائمہ بیٹے جاؤ کچن میں آپی کا ہاتھ بٹاؤ۔ ہر وقت شرارت مناسب تو نہیں۔"

"وی آر سوری پاپا۔" صائمہ سنجیدگی سے کہنے لگی۔ "اور انکل آپ بھی پلیز معاف کر دیں ہمیں۔ بس ہم نہیں چاہتے تھے کہ چھٹی کے دن بھی آپ پاپا کو کام پر لے جائیں۔" وہ چاروں اس کے پاس آ کھڑے ہوئے تھے۔

"انکل آپ بڑے ہیں۔ آپ رہ سکتے ہیں

نعت رسول ﷺ

راشد حسین راہی

شاہ جہانپوری

حسن اخلاق کی، کردار کی باتیں کیجیے
دیر تک سید ابرار کی باتیں کیجیے

میرا ایمان ہے چھٹ جائیں گے غم کے بادل
آپ اگر ایسے میں سرکار کی باتیں کیجیے

مضطرب رہتے تھے دن رات جو امت کے لیے
ان کے ہی گیسو و رخسار کی باتیں کیجیے

جس نے دکھلایا ہمیں دین ہمیں کا رستہ
ہاں اسی قافلہ سالار کی باتیں کیجیے

پیکر نور تھے وہ، سایہ نہیں تھا لیکن
سایۂ رحمت سرکار کی باتیں کیجیے

آپ بچ جائیں گے شیطان کے شر سے راہی
ساری امت کے نگہدار کی باتیں کیجیے

اپنے پاپا کے بغیر مگر ہم نہیں رہ سکتے ہم تو بچے ہیں انکل اور پھر ہماری تو ممی بھی نہیں ہے۔" کاشف جو ان سب سے چھوٹا تھا بولا تو واثق نے بے اختیاری اس کے سر

پر ہاتھ رکھ دیا تو وہ اس کا وہی ہاتھ چوم کر "تھینک یو انکل" کہتا ہوا چلا گیا۔ صائمہ بھی کچن کی جانب مڑ گئی اور آصف اور واصف بھی ادھر ادھر ہوگئے تو وہ بھی اٹھتا ہوا کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے ہشام بھائی! میں چلوں گا۔"

"بیٹھو یار۔" انھوں نے ہاتھ تھام کر دوبارہ بٹھالیا تھا۔ "چھٹی کا یہ دن ہمارے ساتھ گزارو۔"

"بخشیں مجھے! آپ کے بچے اتنا شور مچاتے ہیں خدا کی پناہ۔ سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ میں چلتا ہوں" وہ فوراً اٹھ گیا تھا۔

"بیٹھو یار" انھوں نے پھر کھینچ کر بٹھالیا تھا۔ "ہر دن اپنی مرضی سے جیتے ہو کوئی دن ہماری مرضی سے بھی تو جی کر دیکھو۔"

"اس سے کیا ہوگا؟" اس نے طویل سانس لی تھی۔

"اس سے ہوگا کہ پھر تم زندگی جیو گے زندگی تمہیں نہیں جیے گی۔" وہ کہہ کر مسکرائے تھے اور وہ ایک بار پھر محض طویل سانس لے کر رہ گیا تھا پھر دونوں ہتھیلیاں آپس میں جوڑ کر بیٹھے بیٹھے ہی قدرے جھک کر منہ ہتھیلیوں سے ٹکا لیا تو اس کے یوں بیٹھنے پر ہشام احمد کہنے لگے۔

"تم چاہو تو اسموکنگ کرسکتے ہو۔"

"واٹ!" وہ ایک دم ہی سیدھا ہو بیٹھا۔

"اسموکنگ کیوں کروں میں ہشام بھائی آپ کو پتا ہی ہے میں اسموکر نہیں ہوں پھر بھی......؟"

"ریئلی!" وہ واقعی حیران ہوئے تھے۔

"اور کیا ان دو برسوں میں کبھی دیکھا آپ نے مجھے اسموکنگ کرتے ہوئے؟"

"یار میں سمجھتا تھا میرے لحاظ میں میرے سامنے نہیں کرتے ہوگے۔"

"نہیں مجھے عادت نہیں ہے۔" وہ بولا تو وہ مسکرا دیے۔

"پاپا میں ناشتہ لائی ہوں" اسی پل بدیعہ بڑی کی ٹرے اٹھائے آگئی تھی۔

"زکھو بیٹا! تم سب نے کیا ناشتہ؟" وہ پوچھنے لگے۔

"ابھی کہاں پاپا" وہ ٹرے کے لوازمات چھوٹی سی میز پر ترتیب دیتی ہوئی کہنے لگی تھی۔

"ابھی تو وہ تینوں نہانے گھسے ہیں گیارہ بجے سے پہلے تو نکلیں گے نہیں۔ اتنا کہتی ہوں لیکن سنتے نہیں چھٹی کے دن فجر کی نماز کے بعد بھی سو ہی جاتے ہیں۔ میں انکل اور آپ کے لیے ناشتہ لائی ہوں۔ آپ کھائیں ہم سب بعد میں کھائیں گے چلیں انکل شروع کریں۔" وہ کہتی ہوئی خالی ٹرے لے کر سیدھی کھڑی ہوئی تھی۔

"میں ناشتہ کرچکا ہوں" وہ بولا۔

"تو پھر سے کرلیجیے نا۔ ایک دن دوبار ناشتہ کرلینے سے آپ کی اسمارٹنیس پر کوئی فرق نہیں پڑے گا کیوں پاپا؟" وہ مسکرا کر بولی تھی۔

"یس آف کورس" ہشام احمد نے تائید میں سر ہلایا پھر اس سے کہنے لگے۔

"چلو اٹھو ہاتھ دھو کر آؤ اور او میرے جانشینوں اور ولی عہدو، جلدی سے آجاؤ پانچ منٹ کے اندر ورنہ آج تم تینوں کو ناشتہ نہیں ملے گا۔" وہ اپنے بیٹوں کو آوازیں دے رہے تھے۔

"ہشام بھائی آپ بھی کم نہیں ہیں" وہ بے ساختگی سے ہنستا ہوا ہاتھ دھونے چلا گیا تھا اور دوبارہ آکر بیٹھا ہی تھا کہ وہ تینوں آگے پیچھے بھاگتے چلے آئے تھے وہ بھی اس حال میں کہ سر سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں اور کمر کے گرد تولیے لپیٹے ہوئے تھے۔

"یہ کیا حرکت ہے۔ کپڑے نہیں پہن سکتے تھے تم لوگ" بدیعہ ڈانٹنے لگی۔

"کپڑے پہنتے آپی پانچ منٹ اسی میں لگ جاتے پھر ناشتہ نہیں ملتا ناں" تینوں کھی کھی کرتے ہوئے بیٹھ گئے تھے۔

"صائمہ باقی کا ناشتہ بھی لے آؤ اور تم بھی کھانے بیٹھ جاؤ" وہ صائمہ کو جو کچن میں تھی آواز دے

کرو ہنوں کی طرف دوڑ گئی تھی۔
"بیٹا تم کہاں چلیں" ہشام احمد نے ٹوکا۔
"آتی ہوں پاپا" ۔ وہ کہتی ہوئی تیزی سے زینے طے کر گئی تھی اور جب دوبارہ واپس آئی تو صائمہ بیگم ناشتہ میز پر لگا رہی تھیں۔
"کپڑے پہن کر کھانا کھانا اچھی کوئی طریقہ نہیں ہے"۔ آصف اور واصف کو ان کی قمیصیں تھما کر وہ بولی تھی۔
"ناشتہ آپی!" واصف صحیح کرکے شرارت سے مسکرایا تھا۔
"ہاں ناشتہ ہی"۔ وہ اسے گھور کر کاشف کو خود ہی شرٹ پہنانے لگی تھی۔
"میں پہنتا ہوں نا آپی" ۔ کاشف کہنے لگا۔
"پہنا رہی ہوں نا میں تم الٹے سیدھے لگا لیتے ہو"۔ اس نے ہنستے ہوئے کاشف کا سر چوما تھا۔
"واثق شروع کرو بیٹا"۔ ہشام احمد نے کہتے ہوئے پراٹھوں کی پلیٹ اس کی جانب سرکائی تو وہ جو بڑی محویت اور دلچسپی سے بدیعہ کی مصروفیت دیکھ رہا تھا۔ ایک دم ہی ٹھٹکا اور ان کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھ کر جانے کیوں جھینپ سا گیا تھا جب کہ کاشف سے فارغ ہو کر بدیعہ نے کچن کا رخ کیا تھا جب ہشام احمد نے اسے ٹوکا تھا۔
"بدیعہ بیٹے بس اب تم بھی بیٹھ جاؤ ناشتہ کرنے"۔
"بیٹھتی ہوں پاپا! آپ کھائیں میں چائے لے آؤں" وہ کہتی ہوئی چلی گئی تھی۔
"یار دیکھ رہے ہو تم اس کی مصروفیت میری بھی کم اماں زیادہ لگتی ہے"۔ وہ محبت سے کہہ کر ناشتہ کرنے لگے تھے اور وہ محض مسکرا کر رہ گیا تھا۔
"او کے ہشام بھائی اب میں جاؤں گا"۔
ناشتہ سے فارغ ہو کر وہ کہنے لگا تھا۔
"کہاں؟"
"ظاہر ہے گھر"۔
"کیا کرو گے گھر جا کر کون سے بال بچے انتظار میں بیٹھے ہیں تمہارے"۔ وہ کہنے لگے۔
"چھٹی ہے پورا دن ہمارے ساتھ گزارو۔ اتنی محدود زندگی کیوں جیتے ہو یار بس گھر سے ڈیپارٹمنٹ اور ڈیپارٹمنٹ سے گھر۔ ان دو سالوں میں میں نے تمہاری یہی روٹین نوٹ کی ہے۔ میں نے تمہارے آس پاس بھی ایسا کوئی بندہ بھی نہیں دیکھا جس پر تمہارا دوست ہونے کا شبہ کیا جا سکے۔ کیوں اتنا محدود کر رکھا ہے تم نے خود کو؟"
"عادت پڑ گئی ہے ہشام بھائی تنہا جینے کی" وہ کہنے لگا۔ "دوست بھی بنانے نہیں جی ہی نہیں چاہا کبھی اپنی تنہائیوں سے نکل کر جینے کا۔ آپ سے پتا نہیں کیسے دوستی ہو گئی سینیئر ہونے کے باوجود"۔
"کیوں اچھی نہیں لگی میری دوستی؟"
"اچھی نہ لگتی تو آپ کو بڑے بھائی کے درجے تک آنے ہی کیوں دیتا"۔
"ہوں" اس کی بات پر وہ مسکرائے تھے۔
"بس تم اچھے لگے تھے جتنے بھی آفیسر میری ماتحتی میں آئے تم ان سب سے منفرد تھے۔ میرا دل تمہاری طرف کھنچتا چلا گیا اور پھر میں نے اپنے درمیان سے سنز نکال دینا ضروری سمجھا۔ میں تیزی سے تمہاری جانب بڑھتا چلا آیا اور تم ہنوز تکلفات میں پڑے رہتے ہو"۔
"میں نے کیا تکلف کیا بھائی!"
"ایک ہی محکمے میں ہم دو سال سے کام کر رہے ہیں اور تم آج پہلی بار یوں رک کر میرے گھر میں بیٹھے ہو۔ آج سے پہلے جب بھی آئے کھڑے کھڑے ہی چل دیے کیا یہ تکلف نہیں ہے؟"
"پتا نہیں ہشام بھائی مجھے رشتے نبھانے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ کبھی کسی رشتے سے واسطہ ہی نہیں پڑا یا پھر میں نے ہی کسی سے کوئی رشتہ جوڑنے کی سعی نہیں کی"۔ وہ بولا تو ہشام احمد نے بنظر غائر اسے دیکھا ہمیشہ کی طرح اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا ہاں مگر آنکھیں ہمیشہ کی طرح اداس ہی نظر آئیں

تھی اس کے کہ وہ اس سے مزید کچھ کہتے یا پوچھتے کاشف بڑا سا کیرم بورڈ سر پر بمشکل اٹھائے اس تک چلا آیا تھا بھاگتا ہوا۔

"پاپا آج ہم پہلے کیرم کھیلیں گے کرکٹ بعد میں۔ بھائی اپنا بیٹ ڈھونڈ رہے ہیں مگر میں نے ایسی جگہ چھپایا ہے کہ شام تک ڈھونڈتے رہ جائیں گے۔" کیرم بورڈ میز پر رکھتے ہوئے کاشف اپنا کارنامہ بڑے مزے سے سنا رہا تھا۔

"بری بات بیٹے ایسا نہیں کرتے۔" ہشام احمد نے مسکراتے ہوئے ٹوکا تھا۔ "جاؤ بیٹ دے دو انھیں پھر ہم کیرم کھیلیں گے۔"

"میں نہیں دوں گا پاپا پہلے آپ میرے ساتھ کھیلیں بھائی کو بیٹ مل گیا تو پھر آپ بھی ان کے ساتھ کرکٹ کھیلنے لگیں گے۔"

"او کے بھئی چلو ایک گیم کھیل لیتے ہیں پھر تم بیٹ دے دینا بھائی کو۔" وہ سیدھے بیٹھتے ہوئے کیرم کی گوٹیاں سیٹ کرنے لگے تھے۔

"شام سے پہلے میں نہیں دوں گا پاپا۔ بس" کاشف نے فیصلہ سنایا تھا۔ "آپ بس میرے ساتھ کھیلیں گے۔"

"ایک گیم ہم کھیلتے ہیں بیٹا باقی تم انکل کے ساتھ کھیلنا۔"

"نہ میں تو آپ کے ساتھ کھیلوں گا۔ انکل تو بہت گرم ہوتے ہیں۔" کاشف نے منہ بنایا تو ہشام احمد کی ہنسی چھوٹ گئی جبکہ وہ کاشف کا کان پکڑ کر ہنستا ہوا پوچھنے لگا تھا۔

"کیوں چھوٹے نواب ہم نے کب گرمی دکھائی آپ کو؟"

"ہاں گھور گھور کر دیکھتے نہیں ہیں کیا؟" کاشف فوراً کان چھڑا کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"بھائی یہ آپ کے بچے......"

"شٹ اپ یار بہت پیارے ہیں میرے بچے" انھوں نے ہنستے ہوئے اس کی بات کاٹی تھی۔

"تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ برے ہیں۔" وہ

خفت سے مسکرایا پھر کاشف سے کہنے لگا۔

"چلو کاشی یار کھیلتے ہیں۔ پرامس ایک بار بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

"چھوڑو گے تو؟"

"تو تم بھی چھوڑ دینا یار۔"

"ہاں میرے چھوڑنے سے ڈر جائیں گے کیا آپ؟"

"کیوں نہیں۔" وہ ہنس دیا۔

"پھر ٹھیک ہے۔" کاشف راضی ہو گیا تھا۔ پھر ایک ایک کر کے وہ کاشف کے ساتھ کئی بازیاں کھیل گیا اور جان بوجھ کر ہارتا رہا۔ اس چھوٹے سے بچے کے ساتھ پہلی بار اپنی تنہائیوں سے نکل کر کسی کے ساتھ رہنا اچھا لگ رہا تھا۔ اسی دوران آصف اور واصف نے اپنا بیٹ ڈھونڈنے کے سلسلے میں کافی شور بھی مچا رکھا تھا جو اسے برا بھی نہیں لگ رہا تھا۔

"ہمیں پکا یقین ہے اس کاشی کے بچے نے ہی بیٹ چھپایا ہے۔ آپی ڈھونڈ کر دیں نا پلیز۔" اب دونوں تھک ہار کر اس کی منتیں کرنے لگے تھے جو کچن میں مصروف تھی۔

"پہلے پرامس کرو بیٹ ملنے پر کاشف کو ڈانٹو گے نہیں۔" اس کی آواز واثق کی سماعتوں میں گھلی تھی اور کیرم بورڈ پر اس کی متحرک انگلیاں پل بھر کو ٹھہری تھیں۔

"پرامس ہم کچھ نہیں کہیں گے۔" دونوں ایک ساتھ بولے تھے۔

"آپی نہیں بتانا" کاشف چلایا تھا۔

"جانے دو بچے تم تو کھیل رہے ہونا" پہلے اس نے کاشف سے کہا تھا پھر آصف اور واصف سے کہنے لگی تھی۔ "وارڈ روب میں دیکھو میرے کپڑوں کے نیچے ہے اور سنبھال کے نکالنا۔ ایک بھی کپڑے کی استری بگڑنی نہیں چاہیے۔ نہیں ٹھہرو میں ہی دے دیتی ہوں تم لوگ پورا وارڈ روب ہی الٹ دو گے۔" وہ کہتی ہوئی کچن سے نکلی تھی اور دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی تیزی سے زینہ طے کر گئی تھی۔ اور اس کے پیچھے

چھپے وائق کی نظریں بھی گئی تھیں۔
"ابھی کھیلیں ناں آپ کی باری ہے۔" اسی پل کاشف بولا تو وہ چونکا ساتھ ہی ہشام احمد کی طرف بھی دیکھا کہ کہیں اس کی نظروں کی بے اختیاری انھوں نے تو نہیں محسوس کرلی۔ مگر وہ اس کی طرف متوجہ کہاں تھے بلکہ بڑی محویت سے صائمہ کو اپنے آگے بٹھائے اس کے بالوں کی چوٹی کرنے میں مگن تھے اور وہ ہنس سی گئی تھی۔

"کیوں بھئی ہنسے کیوں؟" وہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگے۔

"ہشام بھائی آپ یہ کام بھی کرتے ہیں؟" وہ ہنسی روک کر بولا۔

"کیوں نہیں کرسکتا بھئی باپ ہوں اور پھر میری اس بچی کا کوئی کام میرے بغیر ہوتا نہیں ہے۔" انھوں نے مسکراتے ہوئے جھک کر صائمہ کا سر چوم لیا تھا پھر کہنے لگے۔ "بس بیٹے بن گئی چوٹی ٹھیک ہے ناں؟"

"ہاں پاپا تھینکس۔" صائمہ اپنی چوٹی کو چھوتی ہوئی مسکرائی تھی۔

"اوکے بیٹا جاؤ اب آپی کا ہاتھ بٹاؤ۔"

"وہ بھگا رہی ہیں ناں پاپا سارے کپڑے جمع ہیں میں نے کہا دھوتی ہوں تو بولیں کھانا بناؤ وہ خود دھولیں گی۔ وہ مجھے کوئی کام کرنے تھوڑی دیتی ہیں بس خود ہی لگی رہتی ہیں۔ پاپا ہماری ممی بھی ایسی ہی تھیں ناں۔ آپی جیسی، اتنی جلدی کیوں چھوڑ گئیں ہمیں۔" آخری جملہ کہتے کہتے صائمہ نم آنکھوں سمیت ان کے گلے لگ گئی تھی۔

"تمہاری آپی جو تھیں بیٹا ہمارا خیال رکھنے کے لیے۔" انھوں نے محبت سے اسے تھپکا تھا۔

"اتنی اچھی آپی ہیں تمہاری پل پل خیال رکھنے والی پھر بھی تم ممی کو مس کرتی ہو؟"

"ہاں پاپا مس کرتی ہوں اس لیے کہ ممی بھی ہوتیں تو کتنا اچھا ہوتا ناں۔"

"ہوں۔" وہ محض مسکرا کر رہ گئے اور صائمہ چلی گئی تو وہ اسے دیکھنے لگے جو کاشف کے بار بار ٹوکنے کے باوجود کھیلنا چھوڑ کر بس انھیں دیکھے جارہا تھا۔

"وائق کیا ہوا بیٹے؟" وہ پوچھنے لگے۔

"کچھ نہیں۔" وہ نفی میں سر ہلا کر مسکرا دیا۔ "بہت محبت کرتے ہیں آپ اپنے بچوں سے ہشام بھائی۔"

"ہاں بہت۔" وہ مسکرا دیے۔ "یہی تو میری کل کائنات ہے تم اتنے حیران کیوں ہو ہر باپ محبت کرتا ہے اپنے بچوں سے کیا تمہارے پاپا نہیں چاہتے تمہیں؟"

"ہر بچے کے نصیب میں آپ جیسا پاپا تو نہیں ہوتا ناں۔" اس نے طویل سانس لیتے ہوئے کیرم پہ چلتے ہاتھ کھینچ لیا تھا جبکہ دوسرے اس کی عدم دلچسپی دیکھتے ہوئے کاشف اکیلے ہی کھیلنے لگا تھا۔

"کیا مطلب؟" وہ قدرے ٹھٹکے تھے اس کی بات پہ۔

"کچھ نہیں میں اب جاؤں گا۔" وہ ایک دم ہی اٹھ گیا تھا۔

"ارے ایسے کیسے جاسکتے ہیں آپ۔" اسی پل ہدیہ کی آواز آئی تو اس نے ٹھٹک کر دیکھا وہ چلتی ہوئی پاس آگئی تھی۔ "کھانا تیار ہے اب کھانا کھا کر ہی جائیے گا۔ پاپا آپ کہیے ناں انکل سے۔"

"ہاں بیٹا بٹھاؤ ابھی۔" انھوں نے ہاتھ تھام کر بٹھا لیا تھا۔

"پاپا میں پوچھنے آئی تھی کہ چائے دوں آپ کو؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"مجھے نہیں وائق کو دو بیٹا۔ یہ چائے بہت پیتا ہے۔ ڈیوٹی پہ ہوتا تو اب تک آٹھ کپ پی چکا ہوتا۔" وہ مسکرائے تھے۔

"تو پہلے بتانا تھا ناں پاپا ناشتے کے بعد سے مجھے پوچھنے کا خیال ہی نہ آیا۔" وہ کہتی ہوئی جانے کے لیے پلٹ گئی تھی۔

"مجھے بھی پتا ہے وہ..." وہ [illegible] سے منع کی مگر
عجلت سے چلی گئی تھی اور جب وہ دوبارہ آئی تو چھوٹی سی
ٹرے میں چائے کے کپ لیے ہوئے تھی۔ وہ کپ اس
کی طرف بڑھاتی ہوئی کہنے لگی۔ "چائے لیں
انکل اور آئی ایم سوری۔ مجھے پتا ہوتا تو میں آپ کو
آتے ہی چائے ضرور دے دیتی ہوئی۔ پھر
آئندہ یاد رکھوں گی۔ پاپا آپ کو تو بتانا چاہیے تھا
ناں۔"

"مجھے خیال نہیں آیا بیٹے۔" وہ مسکرا دیے۔

"ہشام بھائی آپ تو مہمانوں کی طرح
ٹریٹ کررہے ہیں مجھے۔" وہ کپ لے کر قدرے
شرمندگی سے بولا تھا۔

"مہمان ہی تو ہو یار کب تم روز روز آتے
ہو۔ پہلی بار ہی تو آئے ہو۔"

"میں اکثر آتا رہا ہوں بھائی۔ آپ کے
بچے حولدار ہی تو نہیں کہتے مجھے۔" وہ چائے کے
گھونٹ بھرتے مسکرایا تھا۔

"ہاں آتے ہو مگر یوں ٹک کر تو پہلی بار ہی
بیٹھے ہو ناں اور بچوں کی بات کا برا نہیں مانتے حولدار
کے ساتھ انکل بھی تو کہتے ہیں ناں۔" وہ ہنس رہے
تھے۔

"ہوں۔" وہ مسکرا دیا ساتھ ہی اسے بھی دیکھا
جو کمرے میں بکھرے کشن سمیٹ رہی تھی جنہیں
آصف اور واصف نے بیٹ کی تلاش کے دوران
پھیلا دیا تھا۔

"کاشف بس کرو اب دیر سے کھیل رہے ہو
ورنہ رات کو سوتے وقت ہم کو کے انگلیاں دکھتی ہیں۔"
سارے کشن ان کی جگہوں پر رکھ کر وہ کاشف سے کہتی
ہوئی چلی گئی تھی۔

"بھائی آپ کی بیٹی بہت اچھی ہے۔" وہ صبح
سے دیکھ رہا تھا اور اب دوپہر ہوگئی تھی مگر وہ ذرا بھی تھکی
ہوئی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اپنے کاموں کے ساتھ
ساتھ باپ، بہن اور بھائیوں کی خبر گیری میں بھی لگی
ہوئی تھی۔

"ہاں بہت ہی [illegible] بنی رہی ہے۔"
سے تو گھر [illegible] وہ [illegible] دیا تھا
اس نے ان سب کے [illegible] آصف اور واصف
ساتھ لوڈو کی بازی جمائی تھی تو آصف اور واصف کے
ساتھ کرکٹ بھی کھیلی تھی۔ غرض ایک ہی دن میں
سب اس سے فری ہوگئے تھے اور جب رات کے
کھانے کے بعد وہ جانے کا ارادہ کررہا تھا تو آصف
واصف اور صائمہ اس کے پاس آ بیٹھے تھے۔

"انکل وی آر ویری سوری۔" تینوں ایک
ساتھ بولے تھے۔

"کس لیے بھئی؟" وہ چونکا تھا۔

"ہم اپنی صبح والی حرکت پر شرمندہ ہیں
انکل۔" آصف کہنے لگا۔ "زینوں پر سرف کا پانی
کہ ہم نے آپ کو گرا دیا تھا ہم چاہتے تھے کہ آپ
سنڈے کو ہمارے گھر کبھی نہ آئیں پاپا کو لے جانے
اس لیے ہم نے وہ حرکت کی تھی۔"

"انکل ہم آپ کو بہت کڑوس سمجھتے تھے لیکن
آپ تو بہت اچھے ہیں۔" واصف نے سلسلہ کلام
آگے بڑھایا تھا۔ "ہم نے سوچا تھا ایک بار زینوں پہ
سے پھسلیں گے تو دوبارہ ہمارے گھر آنے سے پہلے
ہزار بار سوچیں گے مگر انکل ہم نے آپ کو سمجھنے میں
غلطی کی تھی۔ آپ تو بہت اچھے ہیں ہمارے پاپا جیسے
ہی اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے گھر روز
آئیں۔"

"جی انکل ہمیں معاف کردیں، آئندہ ہماری
وجہ سے آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی اگر آپ سنڈے
کو بھی پاپا کو بزی رکھنا چاہیں گے تو ہم منع نہیں کریں
گے بس شرط صرف اتنی ہے کہ آپ ایسے ہی رہیے
جیسے آج رہے ہیں ہمارے ساتھ ہنستے مسکراتے
ہوئے۔ فوں فوں کرتے ہوئے ذرا بھی اچھے نہیں
لگتے تھے آپ۔" صائمہ کہہ رہی تھی "اور پتا ہے ہم
آپ کو حولدار کیوں کہتے تھے۔"

"کیوں؟" وہ مسکرا کر پوچھنے لگا۔

"کیونکہ پہلے ایک حولدار تھا پاپا کے ساتھ،

ری کمزور ہیں۔ جب بھی کسی کو مدد ہے بلا کر لانے
بیتا اور ہم جانتے ہیں رو رکے تو ہمیں بھی مجبور کر دیا
کرتا تھا۔ آپ بھی ٹھہرتے تھے اس لیے ہم آپ کو
مدد کرنے کو گھر جانے لگے۔"

"آپ جب آتے تھے تو بڑا مزہ آتا تھا ہمیں
چیں انکل اب تم نہیں بڑے ہیں گے آپ کو کیونکہ آپ
تو بہت پاس ہیں۔" تینوں باری باری سے کہہ رہے
تھے۔

"انکل کیسا آپ نے معاف کیا ہمیں۔"
"تم لوگوں کی کوئی غلطی نہیں تھی یار میں ہی
بہت برا تھا۔" وہ تینوں کے سروں پر ہاتھ پھیرتا ہوا
مسکرایا تھا۔ "تم لوگوں کو بہت بدتمیز سمجھتا تھا۔ ہشام
بھائی پر بھی غصہ آتا تھا کہ وہ تم لوگوں کو منع کیوں نہیں
کرتے ہیں مگر آج جبکہ پورا دن تم سب کے ساتھ رہا
ہوں تو احساس ہوا کہ میں غلط تھا۔ تم سب تو بہت
اچھے ہو۔ یوں مجھے لگ رہا ہے جیسے میں سچ مچ
تمہارا انکل ہی ہوں۔"

"ہاں بس آج سے آپ ہمارے سچ مچ کے
انکل ہی بن گئے ہیں۔"
"تھینکس حالانکہ میں اتنا اچھا بھی نہیں ہوں
جتنا کہ تم سب سمجھ رہے ہو۔" وہ مسکراتا ہوا اٹھ گیا تھا۔
"جا رہے ہیں؟" صائمہ پوچھنے لگی۔
"ہوں" ہشام بھائی سے مل لوں۔ دیر سے
نظر نہیں آئے۔" وہ رسٹ واچ پر نظر ڈال کر بولا تھا جو
ساڑھے دس بجا رہی تھی۔
"وہ بابا کا کمرہ ہے۔ کاشی کو سلا رہے ہوں
گے آپ مل لیں جا کر۔" واصف نے کہتے ہوئے
کمرے کی جانب اشارہ کیا تو وہ اسی جانب چلا آیا
کمرے کی دہلیز پر رک کر دیکھا ہشام احمد بیڈ پر دراز
تھے اور کاشف ان کے سینے سے چمٹا تھا جس کا سر وہ
دھیرے دھیرے سہلا رہے تھے۔ اسے دیکھا تو سر
کے اشارے سے پاس بلالیا اور جب وہ بیڈ کے
قریب آرکا تو وہ کاشف کو لٹا کر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے
کہنے لگے۔ "کاشی کی عادت ہے، میرے سینے پر سر

یاد رکھیے

☆ زندگی کو سادہ مگر خیالات کو بلند رکھو۔
☆ خوش نصیبی ایک ایسا پرندہ ہے جو گھر کی منڈیر پر کبھی نہیں بیٹھتا۔
☆ یہ ضروری نہیں کہ جو خوبصورت ہو وہ نیک سیرت بھی ہو، کام کی چیز اندر ہوتی ہے۔
☆ اپنے آپ کے ساتھ زبردستی مت کیجیے، ٹوٹ جائیں گے۔
☆ پرندوں کی چہکار، شاخوں کی سرسراہٹ اور نہروں کی روانی پر کان لگاؤ کیونکہ "حسن" سننے والوں کا حصہ ہے۔
☆ کوئی ہے جو میرے سارے خزانے لے لے اور مجھے وہ آنکھ عطا کردے جو حسن آشنا ہو۔

(سعدیہ.... اودے پور)

رکھے بغیر نیند نہیں آتی اسے تم بیٹھو بیٹا۔"
"ہشام بھائی آپ کے بچے بہت لکی ہیں۔"
وہ بیٹھنے کی بجائے کھڑے کھڑے ہی مسکرا دیا۔
"سب بچے لکی ہوتے ہیں بیٹا اپنے والدین
کے لیے۔"
"ہاں شاید۔ سوائے میرے۔" اس نے
طویل سانس لی تھی اور انھوں نے پھر اس کی آنکھوں
کی اداسیوں کو دبیز ہوتا محسوس کیا تھا جب ہی تو اس کا
ہاتھ تھام کر اسے پاس بٹھالیا تھا۔
"واثق بیٹا صرف بھائی کہتے ہو مجھے یا سمجھتے
بھی ہو؟" عجیب سا سوال تھا ان کا۔
"جی کیا مطلب!" وہ ٹھٹکا تھا۔
"بیٹے سکھ دکھ آپس میں بانٹ

چاہئیں۔ سکھ بانٹنے سے بڑھ جاتے ہیں اور دکھ کم ہو جاتے ہیں۔ آج سکھ بانٹ کر آئے تو تم نے بڑھا لیا ہے تو دکھ بانٹ کر آئے تم کیوں نہیں کرتے؟"

"دکھ ہوتے تو ضرور بانٹتا بھائی۔ خیر اب میں چلوں گا۔" وہ ایک دم ہی اٹھ گیا تھا اور ہشام احمد محض اسے دیکھ کر رہ گئے تھے جب کہ وہ کہہ رہا تھا۔

"تھینکس ہشام بھائی۔ آج لگا کہ زندگی کو میں نے جیا ہے مجھے زندگی نے نہیں۔"

"ہوں۔ جب بھی زندگی جینے کا جی چاہے آ جایا کرنا بیٹے، میرے گھر کے دروازے سدا کھلے پاؤ گے تم۔" وہ مسکرائے تھے اور وہ انہیں خدا حافظ کہتا ہوا گھر سے نکل گیا تھا۔

"ارے آپ جا رہے ہیں میں چائے لائی ہوں۔" ایمل بد حواس سی ہوتی ہوئی سامنے چلی آئی تھی۔ "کیا سچ مچ کی چائے پلاؤ گی تم مجھے؟" وہ بے ساختگی سے مسکرایا تھا۔

"پاپا نے بتایا تھا ناں آپ چائے بہت پیتے ہیں۔" وہ سادگی سے بولی تھی۔

"اتنی تو نہیں پیتا ہوں جتنی تم پلا چکی ہو۔" وہ ہنس دیا۔

"تو منع کرنا چاہیے تھا ناں۔ مجھے کیا پتا کتنی پیتے ہیں۔" اب وہ خفیف سی ہو گئی تھی۔

"اتنی مصروفیت کے باوجود بنا کر دے رہی تھیں تو پھر بھلا بتاؤ میں انکار کیسے کرتا۔" وہ پھر دھیرے سے ہنس دیا تھا۔

"سوری میں آئندہ خیال رکھوں گی۔" وہ خفت سے بولی تھی۔

"کوئی بات نہیں اب میں جاؤں؟"

"جی اور یہ چائے؟" وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"مطلب یہ بھی پینی پڑے گی۔" وہ پھر مسکرایا تھا۔

"نہیں زبردستی تو نہیں ہے اگر آپ کا جی چاہے تو۔" وہ بھی مسکرائی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر چلو ہے تم ہی لے لو ہوں۔" وہ کچھ آگے بڑھ گیا تھا۔

"اچھا سنیں۔" ... کی تھیں اس نے جب پیچھے سے اس کی آواز آئی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ رک کر مڑا۔

"زیادہ چائے نہ پیا کریں۔ میں یہ نہیں کہہ رہی کہ آج مجھے بار بار آپ کو چائے بنا کر دینی پڑی بلکہ اس لیے کہہ رہی ہوں کہ زیادہ چائے صحت کے لیے مضر ہوتی ہے۔" وہ ٹھہرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"تھینکس! آئندہ خیال رکھوں گا میں۔"

"پہلے بھی رکھ سکتے تھے ناں۔"

"نہیں رکھ سکتا تھا کیونکہ پہلے کوئی اتنا خیال رکھنے والا ملا ہی نہیں تھا۔" وہ کہہ کر مسکرایا پھر ایک بھرپور نظر اس کے سادہ سے مکھڑے پر ڈال کر اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

دو سال قبل ہی وہ محکمہ پولیس میں آیا تھا اور اے۔ایس۔پی ہشام احمد کی ماتحتی میں اسے کام کرنے کا موقع ملا تھا۔ اپنے کام اور فرائض کے تئیں جتنا مخلص وہ تھا اتنا ہی مخلص اس نے ہشام احمد کو بھی پایا تھا۔ یوں دو سال کے مختصر سے عرصہ میں "سر ہشام" اس کے لیے "ہشام بھائی" بن گئے تھے اور سر ہشام سے ہشام بھائی تک کا فاصلہ طے کرنے میں زیادہ پیش قدمی ہشام احمد کی جانب سے ہی ہوئی تھی ورنہ وہ خود تو بہت لیے دیے سے انداز میں رہنے والا بندہ تھا۔ لیکن ہشام احمد کے خلوص اور اپنائیت کے سامنے وہ زیادہ دنوں تک خود کو ریزرو نہیں رکھ سکا تھا بلکہ دن گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ان سے کام کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی باتیں کرنے لگا تھا غرض کہ ہشام احمد کی صورت میں اسے ایک اچھا باس اور اس سے بڑھ کر ایک اچھا دوست مل گیا تھا اور یہ ان کی دوستی ہی تھی جو وہ اکثر چھٹی کے دن میں انہیں ساتھ لے کر کام میں

لگ جاتا تھا ہشام احمد بھی اس کے ساتھ بڑی ہو... بعض اوقات اپنے بچوں کے اصرار پر ... بھی کر دیتے تھے اور جب اسے ان بچوں پر بڑا غصہ آتا تھا جو بڑی بڑی اس کی ہر بات کا جواب دیتے تھے اور وہ ہشام احمد سے کہتا تھا کہ۔

"آپ کے بچے بہت بدتمیز ہیں۔"

"تمہارے نہیں ہیں نا اس لیے" ہشام احمد ہنس کر کہتے تھے اور وہ مزید تپ کر ان کے پاس سے اٹھ کر واپس چلا آتا تھا۔ لیکن اس سنڈے کو جب وہ ان کے پاس گیا تو انھوں نے اسے واپس جانے ہی نہیں دیا اور جب اس نے پورا دن ان کے اور ان کے بچوں کے سنگ گزارا تو اسے لگا کہ اب تک وہ جس طرح جی رہا تھا وہ کوئی جینا نہیں تھا۔ زندگی تو اس نے ہشام احمد کے گھر میں دیکھی۔ ایک دن میں اسے اتنا خلوص، اپنا پن ملا تھا کہ زندگی کے گزشتہ 28 برسوں میں نہیں ملا تھا۔ ہشام بھائی کی طرح ان کے بچے بھی بڑے مخلص ثابت ہوئے تھے اور ان کی بڑی بیٹی ہدیہ اس کا خیال آتا تھا کہ بند پلکوں کے پیچھے چلتے سارے منظر یکلخت غائب ہو گئے اور اب بس وہ ہی وہ تھی۔ ادھر سے ادھر آتی جاتی ہوئی، تیزی سے کام نمٹاتی ہوئی، ہر ایک کا خیال رکھتی ہوئی۔ اس کی شبیہ تصور میں آ کر جیسے ٹھہر سی گئی تھی۔ وہ دیر سے پلکیں موندے دن بھر کے سارے مناظر کو چشم تصور سے دیکھنے میں مگن تھا لیکن اب جو اس کی شبیہ آ کر ٹھہر گئی تو اس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی۔

"کتنی پیاری لڑکی۔ بہت خوبصورت احساس دیا ہے آج تم نے"۔ زیر لب بڑبڑا کر اس نے کروٹ بدلی تھی۔

"اس نے یا ہشام بھائی نے؟" اندر سے کہیں سوال ابھرا تھا۔

"اس نے" وہ آنکھیں کھول کر لیٹے سے اٹھ بیٹھا تھا۔ "وہی تو تھی وہاں زندگی کی طرح متحرک اور رواں دواں"۔

"بس وہی تھی؟"

"ہاں بس وہی تھی جب تک میں وہاں رہا میری سماعتیں اس کی آواز کی منتظر رہیں، میری نگاہیں بس اس کے تعاقب میں رہیں۔ میں نے اور کچھ نہیں دیکھا وہاں اس اچھی لڑکی کے سوا"۔ وہ سوچوں میں گم تکیوں میں منہ دیے دوبارہ لیٹ گیا تھا اور رات دھیرے دھیرے سرکتی چلی گئی تھی مگر ہدیہ کی شبیہ اس کی بند پلکوں سے دور نہ ہوئی تھی۔

"چائے زیادہ نہ پیا کریں" اور جب صبح وہ اپنے لیے چائے بنا رہا تھا تب بھی اس کی بازگشت اس کے آس پاس تھی۔

"ناشتے میں تو پیتے دو یار پر اس دن بھر میں صرف تین کپ چائے کا تیرہ نہیں"۔ وہ خود ہی ہنس پڑا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ آفس جانے کی تیاری میں پڑا تھا جب ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں وہ چلی آئی تھی اور برش اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔

"واثق عباس تم گئے کام سے"۔ آئینے میں اپنے ہی عکس پر برش کھینچ کر مارتے ہوئے وہ ایک بار پھر ہنس دیا تھا۔ اور پھر سارا دن بلکہ اگلے کئی دنوں تک ہدیہ کا تصور اس کے سنگ رہا تھا اور وہ جو اپنی دلی کیفیت کو ہنس کر ٹال رہا تھا اب سنجیدگی سے سوچنے لگا تھا۔

"یہ میں کیا سوچنے لگا ہوں اس کے بارے میں وہ تو مجھے انکل کہتی ہے۔"

"اس کے کہنے سے تم بن تو نہیں جاؤ گے نا؟"

"ہشام بھائی کیا سوچیں گے؟"

"وہ بھلا کیا سوچیں گے تم بات تو کرو ان سے کوئی غلط کام تو کیا نہیں ہے تم نے"۔

"میں کیسے کہہ پاؤں گا ان سے میں کبھی نہیں کہہ پاؤں گا۔ انھوں نے بھائی سمجھ کر اپنے گھر کے دروازے مجھ پر وا کیے اور میں ان کی بیٹی کے بارے میں اس طرح سوچنے لگا۔ نہیں مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہیے اس پیاری سی لڑکی کے بارے میں اس نے تو

اپنے پاپا کا دوست سمجھ کر میرا خیال رکھا اور میں سرور آگیں کیفیت اب زائل ہو کر اذیت دینے لگی تھی۔ دل و دماغ یکسو نہیں ہو پا رہے تھے۔ وہ ڈسٹرب ہو چکا تھا جس کا اثر اس کے کام پر بھی پڑنے لگا تھا اور اس کا احساس اسے اس وقت ہوا جب ہشام احمد نے اسے ٹوکا تھا۔

"واثق بیٹے کیا بات؟" اپنے مخصوص لب و لہجہ میں انھوں نے مخاطب کیا تھا۔

"جی کیا بات ہشام بھائی؟" وہ خالی الذہن سا انھیں دیکھنے لگا تھا۔

"کئی دنوں سے نوٹ کر رہا ہوں۔ تم ڈسٹرب سے ہو۔ کام میں پہلے جیسی دلچسپی نہیں لے رہے ہو۔ کیا پرابلم ہے تمہاری؟" وہ اپنائیت سے پوچھ رہے تھے۔

"کوئی پرابلم نہیں ہے بھائی"۔ وہ طویل سانس لے کر رہ گیا تھا۔

"پرابلم تو ہے ضرور تم بتانا نہیں چاہتے وہ الگ بات ہے"۔ وہ بولے تھے۔ "بہرحال اپنے ذاتی پرابلمز کا اثر کام پر نہیں ہونا چاہیے کہ آفٹر آل تم ایک ذمہ دار پوسٹ پر ہو"۔ انھوں نے تنبیہہ ضروری بھی تھی اور وہ بس انھیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔ کچھ کہنے کی سعی نہیں کی تھی۔ اور پھر اسی دن سے وہ بہت محتاط ہو گیا تھا۔ سعی کرنے لگا تھا کہ اس کی ڈسٹربنس کا اثر اس کے کام پر نہ پڑے اور کسی حد تک وہ اس سعی میں کامیاب بھی ہوا تھا اور اس کا اندازہ اسے ہشام احمد کی باتوں سے ہوا تھا جو اس دن انھوں نے اس سے کی تھیں۔

"تمہاری پرابلم سالو ہو گئی؟" انھوں نے اس سے پوچھا تھا۔

"کون سی پرابلم؟" وہ ٹھٹکا تھا۔

"وہی جس کے تحت تم کئی دنوں تک ٹھیک سے کام نہیں کر پائے تھے"۔ وہ مسکرا رہے تھے۔

"کوئی پرابلم نہیں تھی ہشام بھائی"۔ وہ ان پر سے نظریں ہٹا کر میز پر پڑا پیپر ویٹ گھمانے لگا تھا۔

"یار بہت سے کیس حل کیے ہیں میں نے، حدود کا ہر باب چھاپ مارے ہیں مگر تمہاری بھی ... تک سمجھا نہیں سکا ہوں"۔ وہ بولے تھے ... سمجھا میں کیسے گئے"۔ وہ زیر لب مسکرایا تھا۔

"کبھی ہے بچے ... نظر جمائے ... ہے پہلے میں سمجھاؤں کہ میں تم کو نظر جمانے کی اجازت نہیں دیتے ہو"۔ وہ بولے تھے اور اس ... اٹھا کر انہیں دیکھنے کی سعی نہیں کی تھی جبھی وہ ... الجھا ہوا تھا اب وہ ایک یہ خیال ہی نظر اس پر ... کھینچنے لگے تھے۔

"اس سنڈے کے بعد تو تم آئے ہی نہیں گھر پر۔ چار ماہ ہو گئے شاید اور میرے بچے ابھی تک ہر سنڈے کو منتظر ہوتے ہیں کہ تم آؤ گے۔ آنا چاہیے کہ تمہیں میرے خیال سے تو بہت انجوائے کیا تھا تم نے وہ سنڈے۔"

"جی" اب کی وہ مسکرایا تھا۔

"تو پھر آئے کیوں نہیں دوبارہ؟"

"جی سوچا تو کئی بار مگر آ نہیں سکا۔"

"کیوں؟"

"بس یہی خیال رہا کہ آپ پتا نہیں کیا سوچیں گے؟"

"کچھ سوچنا ہوتا تو تم سے کبھی نہیں کہتا کہ میرے گھر کے دروازے سدا کھلے رہیں گے تمہارے لیے"۔ وہ مسکرائے تھے۔

"تھینکس ہشام بھائی"۔ وہ بھی مسکرایا تھا۔

"تھینکس سے کام نہیں چلے گا۔ تمہیں آنا پڑے گا کہو کب آؤ گے بلکہ ابھی چلو ڈیوٹی آف ہونے کے بعد"۔ وہ خلوص سے مدعو کر رہے تھے۔

"ابھی نہیں ہشام بھائی آؤں گا کسی دن"۔

"ہم انتظار کریں گے"۔ وہ اس کا شانہ تھپک کر چلے گئے تھے۔

اس نے سوچا تھا کہ وہ ہشام احمد کے گھر کبھی نہیں جائے گا لیکن ان کا دوبارہ اصرار سے بلانا وہ بہت دنوں تک ٹال نہیں سکا اور دل میں اس پیاری سی لڑکی کو دیکھنے کی چاہ لیے وہ کشاں کشاں ہشام احمد

کے رنگ آ ہی گیا تھا۔
"واثق بیٹے تم؟" کال بیل کے جواب میں دروازہ ہشام احمد نے ہی کھولا تھا اور اسے دیکھ کر بہت خوشی سے مسکرائے تھے۔ "کیسے آئے؟ آؤ بیٹھو مگر میں پہلے ہی کہہ دے رہا ہوں اگر موجودہ کیس پر کام کے سلسلے میں آئے ہو تو سوری آج میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکوں گا۔" وہ کہتے ہوئے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے اندر لے آئے تھے۔

"ہشام بھائی میں کام کے لیے نہیں آیا ہوں۔" وہ بولا۔

"پھر؟"

"بقول آپ کے زندگی جینے کا جی چاہا تو آ گیا۔" وہ مسکرایا تھا۔

"اتنے دنوں بعد تمہیں زندگی کی یاد آئی ہے۔ بیٹے تمہارا مسئلہ کیا ہے، کب تم مجھے اپنا سمجھ کر اپنے دکھ شیئر کرو گے مجھ سے؟" وہ کہتے ہوئے اس کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

"میرا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے ہشام بھائی بس آپ وہمی ہو گئے ہیں۔" وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"ارے واثق انکل السلام علیکم۔" اسی وقت آصف وغیرہ اس کے آس پاس آ گئے تھے۔

"اتنے دنوں کے بعد آئے۔"

"ہم ہر سنڈے کو ویٹ کرتے تھے آپ کا۔"

"بڑے بے مروت ہیں آپ ہم تو ایسا نہیں سمجھتے تھے آپ کو۔" وہ چاروں شکوہ کرنے لگے تھے اور ان کی محبت اور خلوص پر کچھ کہنے کی بجائے اس نے مسکراتے ہوئے قریب کھڑے کاشف کا ہاتھ تھام کر پہلو میں بٹھا لیا تھا۔

"انکل آپ آتے کیوں نہیں تھے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"تم نے بلایا ہی نہیں کبھی۔" وہ ہنس دیا۔

"ہم تو روز بلاتے تھے۔ پوچھ لیں پاپا سے روز کہتے تھے کہ انکل سے کہیے کہ سنڈے کو آئیں۔ کیا پاپا کہتے نہیں تھے آپ سے؟"

"کہتے تھے۔"

"پھر آپ آئے کیوں نہیں؟"

"آ گیا تو ہوں۔"

"کتنے دنوں کے بعد ہاں۔" صائمہ بولی تھی۔

"تو کیا ہوا آ تو گیا ہوں نا۔"

"ہاں اچھا ہوا آ گئے۔" آصف کہنے لگا۔ "ہم نے آج پکنک کا پروگرام بنایا ہے اگر آج آپ نو بجے تک نہیں آتے نا تو ہم آپ کے گھر آ جاتے آپ کو لینے۔ ہم نے پاپا سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔"

"تھینکس یار تم سب بہت اچھے ہو۔ مجھے ہی نہیں آیا کبھی محبتوں کی قدر کرنا۔"

ان سب کے اتنے خلوص پر وہ قدرے شرمندہ ہوا تھا۔

"تو ہم سے سیکھ لیں۔" صائمہ فوراً بولی تھی۔

"وہی تو کر رہا ہوں۔" وہ مسکرا دیا۔ ان سب سے نظریں ہٹا کر اطراف میں واپس مگر وہ نظر نہ آئی جسے دیکھنے کی چاہ میں وہ یہاں تک چلا آیا تھا۔

"صائمہ آؤ جلدی ناشتہ لگانے میں مدد کرو میری۔" اسی پل اس کی آواز سماعتوں میں گھلی تھی اور واثق عباس کا رواں رواں جیسے متوجہ ہوا تھا۔ لیکن اس نے گردن موڑ کر آواز کی سمت دیکھنے کی سعی نہیں کی تھی حالانکہ دل بے اختیار مچلا تھا کہ مڑ کر اسے دیکھے مگر وہ اپنی بے اختیاری پر بند باندھ گیا تھا کہ ہشام احمد کے آگے وہ اپنی ذات کا بھرم ٹوٹنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

"ارے انکل آپ السلام علیکم کب آئے۔" اس کی آواز پھر سماعتوں میں گھلی تھی اور اس بار اس نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا وہ سامنے ہی کھڑی تھی۔

"بس ابھی۔" وہ بہت طمانیت سے مسکرایا کہ وہ نگاہوں کے سامنے کیا آئی یوں لگا کہ دل کی ساری بیقراریوں کو ایک پل میں قرار مل گیا۔

"اگر آج بھی اس دن کی طرح ناشتہ کر

آ... میں ... [illegible]
... پاپا" وہ اس سے ... ہشام احمد [illegible]
پوچھنے لگی تھی۔

"جی پاپا" وہ ... مسکرا رہے تھے۔

"آج تو میں نے چائے بھی نہیں پی ہے۔"

وہ زیر لب مسکرایا تھا۔

"تو چلیں نا میں پہلے چائے دیتی ہوں آپ کو ناشتہ چائے کے بعد کر لیجئے گا۔ چلیں پاپا آصف تم سب بھی آجاؤ۔" وہ کہتی ہوئی چلی گئی تھی۔

"چلیں انکل۔" کاشف اس کا ہاتھ تھام کر اٹھ گیا تھا۔ ہشام احمد بھی اٹھ گئے تو وہ ان کے ساتھ ہی ڈائننگ ٹیبل تک آگیا تھا جہاں وہ صائمہ کے ساتھ ناشتہ لگانے میں مصروف تھی۔

"صائمہ تم بھی بیٹھ جاؤ میں چائے لے کر آتی ہوں۔" وہ سب بیٹھ گئے تو وہ کہتی ہوئی کچن کی طرف مڑ گئی تھی۔

"بیٹا پہلے ناشتہ تو کرنے دو۔ چائے بعد میں پئیں گے۔" ہشام احمد بولے۔

"انکل کو پہلے چائے دے دوں نا پاپا۔" وہ رک کر کہنے لگی۔

"نہیں میں سب کے ساتھ ہی پیوں گا۔ تم بھی بیٹھ جاؤ ناشتہ کرو۔" وہ بولا تو وہ واپس پلٹ آئی تھی۔

"اچھا ہوا جو آج آپ آگئے ورنہ آصف جانے والا تھا آج آپ کو بلانے۔" اس نے کہتے ہوئے پاس بیٹھے کاشف کی پلیٹ میں پراٹھا ڈالا تھا پھر ہشام احمد کی پلیٹ میں سادہ چپاتی رکھتی ہوئی کہنے لگی تھی۔ "پاپا آپ کو گھی والے پراٹھے نہیں کھانے ہیں بس۔"

"بھئی بیٹے تم کب تک مجھ سے پرہیز کراؤ گی۔" وہ بے ساختگی سے مسکرائے تھے۔

"جب تک آپ بالکل فٹ نہیں ہو جاتے کتنے فیٹی ہو گئے ہیں آپ۔ توند بھی نکلنے لگی تھی جبکہ پولیس والوں کی توند نہیں نکلنی چاہیے۔"

"کیا ہم تو ... چاہیں ... [illegible]
... کوئی دیکھے ... ہم تو ... [illegible]
... پاپا ... اسمارٹ ... [illegible]
... خالی ... [illegible]
تھی۔

"اور کیا ہمارے پاپا کو اسمارٹ ہونا ... کسی اور کے پاپا ہوں ... ہیں۔" آصف ... واصف نے ... کی۔

"... کوئی ... رہے ہو ... ہیں ان کی؟" ہشام احمد اسے مخاطب کر کے خوشدلی سے ہنس رہے تھے۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں بھائی۔ پولیس والوں کو تو اسمارٹ ہونا ہی چاہیے۔" جواباً وہ مسکرایا تھا۔

"مگر انکل عموماً پولیس والے بے ڈول ہی تو موٹے ہی نظر آتے ہیں۔" آصف کہنے لگا۔

"ہاں لیکن زیادہ تر اسمارٹ اور فٹ بھی ہوتے ہیں۔"

"ہاں جیسے کہ آپ۔ انکل کیا باڈی ہے آپ کی یہ باڈی بلڈنگ تو میں آپ ہی سے سیکھوں گا ذرا اور بڑا ہو جاؤں تب۔" واصف بولا تھا اور وہ محض ہنس کر رہ گیا ساتھ ہی اسے بھی دیکھا جو کچن میں جا رہی تھی۔

"ہدیہ بیٹے دیکھ رہے ہیں ہم۔ پھر کی بنی ہو صرف، کچھ کھا پی نہیں رہی ہو۔" ہشام احمد نے ٹوک دیا۔

"میں کھا لوں گی پاپا! چائے تو لے آؤں"۔ وہ کہتی گئی تھی اور چائے لے آئی تھی اور وہ سب ناشتہ سے فارغ ہو گئے تھے جب وہ کھانے بیٹھی تھی۔

"پاپا ہم ایک بار پھر چیک کر لیں سامان، کچھ رکھنا بھول تو نہیں گئے گاڑی میں"۔ آصف کہتا ہوا اٹھا تو واصف اور کاشف بھی پیچھے چل دیے تھے اور جب ہشام احمد بھی میز سے اٹھ گئے تو وہ بھی ان کے ساتھ ہی اٹھا تھا۔

"پاپا انکل کے لیے چائے کا سماوار بھی لے چلیں۔" اور جب وہ سب نکلنے لگے تو ہدیہ قدرے شوخی سے بولی تھی۔

"ہا-ہا-ہا۔" ہشام احمد ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے جبکہ وہ اس سے کہنے لگا تھا۔

"اب میں اتنی چائے بھی نہیں پیتا ہوں۔"

"پھر کتنی پیتے ہیں۔"

"دن بھر میں صرف تین کپ۔"

"رئیلی" اسے یقین نہ آیا۔

"ہاں" وہ مسکرا دیا۔ "تم نے کہا تھا ناں زیادتی کسی بھی شے کی مضر ہوتی ہے بس پھر میں نے چائے پینا کم کر دیا۔"

"میں نے کہا تو آپ نے کم کر دی پہلے نہیں کر سکتے تھے۔ کیا جانتے نہیں تھے کہ زیادہ چائے پینا صحت کے لیے مضر ہے۔"

"جانتا تھا۔"

"پھر؟"

"پہلے کوئی نہیں تھا ناں روکنے ٹوکنے والا، خیال رکھنے والا۔ اب تم ہو۔" وہ کہہ کر تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا ہشام احمد کے ساتھ ہو گیا تھا۔

"ڈرائیو تم کرو گے یا میں کروں؟" وہ سب گاڑی میں بیٹھ گئے تو ہشام احمد اس کے لیے اگلی سیٹ کا ڈور کھولتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"پاپا آپ ڈرائیو کریں۔ انکل کو بیٹھنے دیں یہ ہمارے ساتھ گانا گائیں گے۔" پیچھے سے صائمہ بولی تھی۔

"مجھے گانا وانا نہیں آتا۔ آپ بیٹھیں ہشام بھائی میں ڈرائیو کروں گا۔" وہ کہتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔

"گانا سب کو آتا ہے ہر کوئی سنگر ہوتا ہے، باتھ روم سنگر ہی سہی مگر ہوتا ہے کیوں پاپا۔" صائمہ پھر بولی تھی۔

"بھئی میں باتھ روم سنگر بھی نہیں ہوں۔"

"ہائیں! پھر باتھ روم میں آپ کرتے کیا

وہ

منور رانا

کسی بھی موڑ پر تم سے وفاداری نہیں ہوگی
ہمیں معلوم ہے تم کو یہ بیماری نہیں ہوگی

نیم کا پیڑ تھا برسات تھی اور جھولا تھا
گاؤں میں گزرا زمانہ بھی غزل جیسا تھا

ہم کچھ ایسے ترے دیدار میں کھو جاتے ہیں
جیسے بچے بھرے بازار میں کھو جاتے ہیں

تجھے اکیلے پڑھوں کوئی ہم سبق نہ رہے
میں چاہتا ہوں کہ تجھ پر کسی کا حق نہ رہے

وہ اپنے کاندھوں پہ کنبے کا بوجھ رکھتا ہے
اسی لیے تو قدم سوچ کر اٹھاتا ہے

آنکھیں تو اسے گھر سے نکلنے نہیں دیتیں
آنسو ہیں کہ سامانِ سفر باندھے ہوئے ہیں

ہیں"۔ واصف حیرت سے بولا۔

"نہاتا ہوں"۔ وہ شوخی سے ہنسا تو وہ سب بھی ہنس پڑے۔

"اب نہاتا تو گانا بھی گانا انکل کیا مزا آتا ہے"۔ کاشف مشورہ دے رہا تھا۔

"ہوں" وہ زیر لب مسکراتا ہوا گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا تھا۔

"ہاں انکل بھی ٹھنڈے ٹھنڈے پانی سے نہانا چاہیے والا گانا گانا آپ بھی بڑا مزا آتا ہے"۔

"او کے یار میں یاد رکھوں گا تمہاری بات ہشام بھائی چلنا کہاں ہے؟" وہ پہلے کاشف کو جواب دے کر ہشام احمد سے پوچھنے لگا۔

"کھانا۔" وہ رو دیے تھے۔

"کھانا تو آئی ہوں گا؟" وہ حیران ہوا۔

"وہ کہاں ہے ابھی۔"

"بچے گا... میں گھنٹوں میں پہنچ جائیں گے۔" پیچھے سے واصف چلایا۔ "کھانا کھائیں گے، مستی کریں گے، پہاڑ پر جائیں گے، کھیلیں گے، سن سیٹ دیکھیں گے اور واپس آ جائیں گے۔" واصف نے ساری پلاننگ سنا ڈالی تھی۔

"یار وہ تین دن ٹھہرتے تو مزا آتا، ناں ایک دن میں کیا مزا آئے گا" وہ بولا۔

"ایک دن میں بھی بہت مزا آ جاتا ہے انکل، آپ چلیں تو۔" صائمہ بولی تھی۔

"بدیعہ بیٹے بہت چپ ہو۔ کچھ بولو تم بھی" ہشام احمد اس سے کہنے لگے جو اب تک خاموش ہی بیٹھی تھی۔

"میں کیا بولوں پاپا؟" وہ مسکرائی تھی اور واثق نے مرر میں جھانکتے اس کے چہرے پر بھرپور نظر ڈالی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی اس نے بڑے ہی غیر محسوس سے انداز میں مرر اس طرح سیٹ کر لیا تھا کہ اسے بآسانی دیکھ سکے سو اب دیکھ رہا تھا مگر بہت احتیاط سے اس طرح کہ نہ وہ کچھ سمجھ سکے اور نہ ہی کوئی اور محسوس کر سکے۔

"آپی کچھ نہیں بولیں گی پاپا، انہیں آتا ہی نہیں ہے بولنا سوائے اس کے کہ چلو کھانے چلو، سونے چلو، ہوم ورک کرو، چلو بس زیادہ شرارت مت کرو، پاپا کو پریشان نہ کرو، کاشی کو مت ڈانٹو، صائمہ سلیقے سے رہو، آصف واصف تم دونوں پڑھو گے مجھ سے وغیرہ وغیرہ۔" آصف نے ایک ہی سانس میں اس کے چیدہ چیدہ جملے گنوا دیے تھے جو وہ گھر میں مصروف کہتی رہتی تھی۔

"تو تم مذاق اڑا رہے ہو میری بچی کا۔" ہشام احمد بے ساختگی سے مسکرائے تھے۔

"نہ پاپا آپی تو ہماری جان ہیں، بس یہ بتا رہا تھا کہ آپی کو ان سب باتوں کے سوا اور کچھ کہنا نہیں

"آہا آپی آپ کو پتا ہے تو آئی ایم سوری۔" کہتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

"نہیں مجھے کیوں برا لگے گا..."

"کہا تم نے جو میں کہتی رہتی ہوں۔" وہ مسکرائی... وہ سب مل کر گاڑی میں گانا گانے میں لگے تھے۔ اس وقت تو واثق حیاس مارے حیرت کے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا تھا جب کہ ہشام احمد نے بجانا شروع کیا تھا۔ بڑی اچھی دھن بجائی تھی... نے سننے کے بعد وہ حیران سا ہوا تھا۔

"ہشام بھائی آپ یہ بھی کر لیتے ہیں؟"

"ہاں بھئی تم اتنے حیران کیوں ہو؟" وہ ہنس دیے تھے۔ "بچوں کے ساتھ پکنک پر نکلے ہیں تو بچہ بننا ہی پڑے گا اور پھر برخوردار ہم آدمی ہیں آدمیوں کے درمیان رہتے ہیں تو حرکتیں بھی آدمیوں جیسی ہی کریں گے نا تمہاری طرح آدم بیزار تو نہیں پھر سکتے ہم۔"

"میں کہاں بیزار ہوں بھائی ساتھ ہی تو ہوں آپ کے۔" وہ خجالت سے مسکرایا۔ اور جب منزل تک پہنچ کر اس نے گاڑی روکی تو وہ سب اتر پڑے۔ بدیعہ نے ایک سایہ دار درخت کے نیچے چادر بچھا دی تو آصف اور واصف جلدی جلدی کھانے کے ٹفن وغیرہ لا لا کر رکھنے لگے۔ اس سے فارغ ہوئے تو پانی پی پی کر اچھل کود میں لگ گئے جبکہ وہ کہتی ہی رہ گئی کہ۔

"پہلے کچھ کھا لیتے ناں"۔

"کھائیں گے نا آپی۔ آپ کو تو بس کھلانے پلانے کی ہی فکر رہتی ہے۔ آئیں ہمارے ساتھ" واصف کہتا ہوا اسے اپنے ساتھ کھینچ لے گیا تھا۔ ہشام احمد بھی بچوں میں شامل ہو گئے تھے۔ "تم بھی اٹھو یار۔ تمہیں اپنے سامان کی پہریداری کے لیے نہیں لائے ہیں ہم"۔ وہ جو ہتھیلیاں ٹکائے آرام دہ انداز میں دری پر بیٹھا ہوا ان سب کو دیکھ رہا تھا، ہشام احمد اسے بھی ساتھ لے گئے تھے۔

"انجوائے کرنے آئے ہیں ہم تو انجوائے کرو بھئی"۔ انہوں نے کہتے ہوئے فلائنگ ساسر اس

کی جب سب بیٹھی ہوتی تھی۔
"...کرتا ہوں"۔ سارہ ٹیگ کرتے ہوئے وہ
بس یا صف چلتے چلتے ہی بہت سا وقت بیت گیا تھا
اور جب وہ سب اچھل کود کر تھک گئے تو کھانے پر
ٹوٹ پڑے ایک دوسرے سے چھین جھپٹ کر خوب
خوب جی بھر کر کھانا کھایا گیا اور کھانے کے فوراً بعد ایک بار
پھر وہ سب موج مستی میں لگ گئے تھے آصف اور
واصف ایک بار پھر ہدیہ کو زبردستی اپنے ساتھ کھینچ
لے گئے تھے۔

"آصف چھوڑو ہمیں۔ مجھ سے نہیں ہوتی
بندروں کی طرح اچھل کود"۔ وہ منع کر رہی تھی مگر سنتا
کون تھا۔

"ہاں آپ تو بس بکری کی طرح گھومتا آتا
ہے آپی آپ بلاوجہ اسمارٹ بننے پر لگی رہتی ہیں
اور خود کو دیکھیں ذرا سی اسمارٹ نہیں ہیں"۔ آصف
باقاعدہ بحث کر رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا کیا آپی اسمارٹ
نہیں ہیں۔ اتنی پیاری تو ہیں"۔ صائمہ کو بے حد برا
لگا۔

"ہاں پیاری ہیں مگر بہت بھاری بھی ہیں۔
ایکدم ہولے۔" واصف کہہ رہا تھا۔ "آپی آپ ہم سے
بڑی ہیں آپ کو تو ہم سے زیادہ ایکٹیو ہونا چاہیے مگر
آپ تو بس ہر دم بھی بنی رہتی ہیں"۔

"بھی بنی ہیں جب ہی تو ہم بچے ہیں
بھائی"۔ ہدیہ کی بجائے صائمہ ہی بولی تھی۔

"اس میں تو کوئی شک نہیں ہے"۔ آصف
اور واصف بیک زبان بولے۔

"بس بس زیادہ ایموشنل ہونے کی ضرورت
نہیں ہے"۔ وہ جو دیر سے چپ تھی ایکدم ہی ٹوک
گئی تو وہ چاروں ہنستے ہوئے اسے دور تک دوڑاتے
چلے گئے تھے اور وہ ہشام احمد کے پاس بیٹھا ان سب
کو دیکھ رہا تھا، ان کی باتوں پر مسکرا رہا تھا۔ کھانے کے
بعد ہشام احمد ان کے ساتھ شامل نہیں ہوئے تھے بلکہ
دری پر ہاتھوں کا تکیہ بنائے لیٹ گئے تھے۔ اور وہ بھی

غزل

مظفر حنفی

نام ان کا زیر لب ہے اور ہم
اک سکوت نیم شب ہے اور ہم

ان سے پھر کہنے چلے ہیں حال دل
پھر وہی پاس ادب ہے اور ہم

بھولنے کی کوششیں مت کیجیے
یاد آئیں، کیا عجب ہے، اور ہم

یاد کیوں آیا خدا منجدھار میں
ناخداؤں کا غضب ہے اور ہم

اے مظفر کیا کہیں، کس سے کہیں
ایک درد بے سبب ہے اور ہم

ان کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔

"تم جاؤ تم بھی ان کے پاس"۔ اسے
محویت سے ان سب کی جانب دیکھتا پا کر وہ بولے۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں بھائی"۔ وہ مسکرا

تھا۔

"پیارا بجھانے کے لیے آئے ہو تو کہو ہاں۔"

"شکریہ۔ ہشام بھائی یہ دوسرا یادگار دن گزرا ہے میں نے آپ کے ساتھ۔"

"ہوں۔" وہ مسکرا دیے۔

"ہشام بھائی ایک بات پوچھوں؟" کتنی ہی دیر چپ رہنے کے بعد وہ بولا تھا۔

"ضرور پوچھیے۔"

"آپ کی عمر کتنی ہوگی؟" وہ پوچھ کر مسکراہٹ چھپا گیا تھا۔

"ہائیں! کیا مطلب ہے بھائی۔" وہ ہنستے ہوئے اٹھ بیٹھے تھے۔ "کیوں پوچھا؟ تم نے کیا بوڑھا دکھائی دینے لگا ہوں میں تمہیں۔"

"دکھائی نہیں دیتے اسی لیے تو پوچھ رہا ہوں۔" وہ زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔ "اتنے ینگ اور اسمارٹ ہیں آپ بچوں کے ساتھ دیکھ کر لگتا ہی نہیں کہ آپ کے بچے اتنے بڑے بڑے ہیں۔"

"ہاں بچے تو کافی بڑے بڑے ہیں میرے اور میں ینگ اور اسمارٹ بھی ہوں۔" وہ کہنے لگے۔ "واقعی بچے اڑتیس سال کا ہوں میں اور میری بڑی بیٹی انیس کی ہے۔ ایک مزے کی بات بتاؤں تمہیں۔ میری انیسویں سالگرہ پر بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ سترہ سال کا تھا میں جب شادی ہوئی تھی میری۔"

"اتنی چھوٹی عمر میں؟"

"ہوں۔" وہ سر ہلا کر مسکرا دیے۔ "اپنے والدین کی بڑھاپے کی اولاد تھا میں۔ اس وقت پیدا ہوا تھا میں جبکہ میرے والدین نے با اولاد ہونے کی امید ہی چھوڑ دی تھی اور جب میں پیدا ہوا تم اندازہ کر سکتے ہو کہ اماں اور بابا کو کتنی خوشی ہوئی ہوگی۔ ایک دعا پائی تھی انہوں نے بڑی دعاؤں اور منتوں کے اور اس اولاد کی ساری خوشیاں بھی دیکھنا چاہتے۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ مجھے کھینچ کھانچ کر سے بڑا کر دیں۔ میری شادی کریں اور میرے بچے کھلائیں۔" وہ بہت مزے سے بتا رہے تھے۔ "سترہ سال کا ہوا تو اماں بابا نے شادی کر دی۔ بہت چیخا چلایا میں مگر سنتا کون کرنی ہی پڑی۔ خوش نصیب تھا میں جو خدیجہ جیسی شریک حیات ملی مجھے۔ پاپا تو ساری جو اماں بابا کی زیادتی پر تھا سب زائل ہو گیا سال بعد ہماری بیٹی پیدا ہوئی اس وقت انٹر کر کے گریجویشن میں ایڈمیشن لیا تھا میں نے بھی پڑھنے کا بہت شوق تھا مگر گھر گرہستی مصروفیات آڑے آگئیں۔ میں نے تو پڑھائی جاری رکھی مگر وہ نہ رکھ سکی۔ میں نے تو بہت چاہا کہ وہ اپنی تعلیم جاری رکھے مگر اسے اپنے شوق سے زیادہ اماں بابا کی خواہشیں عزیز تھیں۔ بیٹی تین سال کی تھی جب صائمہ پیدا ہوئی اور صائمہ ڈیڑھ سال کی ہوئی تو آصف اور واصف پیدا ہوئے پہلے پوتیاں پھر جڑواں پوتوں کو پا کر اماں بابا تو جیسے اپنی زندگی کی ساری خوشیاں پا گئے۔ آصف اور واصف سال بھر کے بھی نہیں ہوئے تھے جب اماں اور بابا آگے پیچھے فوت ہو گئے۔ ان دنوں میں آئی پی ایس کی تیاری میں تھا۔ واقعی بچے بہت بھرپور زندگی گزاری ہے ہم نے اللہ کے فضل سے اس لیے اپنی عمر سے زیادہ جوان نظر آتے ہیں۔ کسی چیز کی کمی نہیں کی پروردگار نے میری زندگی میں جو میں نے چاہا وہ مجھے ملا اس رب کی مہربانی سے۔ ہاں بس خدیجہ کو بہت جلدی اس نے اپنے پاس بلا لیا۔ میری بیٹی گیارہ سال کی تھی جب کاشف کی پیدائش کے بعد خدیجہ کی ڈیتھ ہوئی اور پھر میری اس ننھی سی بچی نے یوں سنبھالا مجھ سمیت اپنی بہن، بھائیوں اور گھر کو کہ ہمیں کبھی احساس ہی نہیں ہوا کہ خدیجہ ہمارے درمیان سے اٹھ گئی۔ بہت بہادر ہے میری بیٹی۔ اس وقت حالات کے سامنے ڈٹ گئی تھی جب میں ٹوٹنے لگا تھا مگر اس نے مجھے ٹوٹنے نہیں دیا یوں سمیٹا ہمیں کہ آج بھی میں سوچتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں گیارہ سال کی تھی وہ اور کاشف شیر خوار تھا اسے سنبھالنا آسان کام نہیں تھا۔ اب کاشی

کو دیکھتا ہوں تو فخر محسوس ہوتا ہے اپنی بچی پر داد دیتا ہوں میں اس کی ہمت اور حوصلوں کی۔ بہت ساری قربانیاں دی ہیں اس نے اپنے باپ، بہن اور بھائیوں اور گھر کے لیے سیونتھ اسٹینڈرڈ میں تھی وہ جب خدیجہ کی ڈیتھ ہوئی اور اس نے اسکول چھوڑ دیا تھا۔" وہ کہہ کر چپ ہوئے تو وہ ذرا بھی کچھ نہ بول سکے کئی لمحے خاموش رہنے کے بعد کہنے لگا تھا۔

"ہشام بھائی آپ دوسری شادی بھی تو کرسکتے تھے۔"

"ہاں سوچا تھا میں نے" وہ مسکرائے تھے۔

"مگر کر نہیں سکا حوصلہ ہی نہیں ہوا۔ جب خدیجہ کی موت ہوئی اور کاشی کی پرورش کا مسئلہ سامنے آیا تو میں سنجیدگی سے دوسری شادی کے بارے میں سوچنے لگا تھا مگر وہ میری بچی ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کھڑی ہوگئی۔ کہنے لگی پاپا میرے بھائی، بہن پر سوتیلی ماں مسلط مت کریں پلیز، میں پالوں گی انہیں اور اس نے صرف کہا نہیں تھا بلکہ عمل کرکے بھی دکھا دیا اور اب میں چاہتا ہوں اس کی شادی کردوں مگر وہ کہتی ہے پہلے وہ گریجویشن کرے گی اس کے بعد سوچے گی پچھلے سال اس نے میٹرک کا ایگزام پاس کیا تھا پرائیوٹ طور پر اور اس سال انٹر کرلیا ہے۔ اگلے تین سالوں میں انشاء اللہ بی اے بھی کرلے گی اور میں اپنی بچی کے لیے ایسا بر چاہتا ہوں جو اسے بہت خوش رکھے۔ ہر خوشی اسے دے، اسے اس کے ان سب خوابوں کی تعبیر دے جو اس نے ذمہ داریوں میں گھر کے دیکھے ہی نہیں۔ میں چاہتا ہوں کوئی ایسا ملے مجھے جو میری بچی کو وہ تمام خوشیاں دے جنہیں اس نے اپنی بہن اور بھائیوں کی خاطر خود پر حرام کرلیا ہے۔" وہ بات ختم کرکے سگرٹ سلگانے لگے تھے جب کہ وہ ان پر سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھنے لگا تھا جو قدرے فاصلہ پر اپنے بھائیوں اور بہن کے ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ سب ہنس رہے تھے جب کہ وہ مسکرا رہی تھی۔

"آپ کی بچی بہت اچھی ہے ہشام بھائی۔" وہ دھیرے سے بولا تھا۔

"ہاں یہ تو مجھے پتا ہی ہے۔" وہ سگرٹ کا کش لے کر مسکرائے تھے ساتھ ہی ایک بھرپور نظر اس پر ڈالی تھی جو ہنوز بدستور نظریں مرکوز کیے ہوئے تھا۔

"واثق عباس ایک دن تو تمہیں مجھ پر کھلنا ہی ہوگا۔" وہ سوچ کر مسکرائے تھے پھر اس پر سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھنے لگے تھے جو واثق عباس کی نگاہوں میں بھی تھی مگر اس سے بے خبر بہن اور بھائیوں کے ساتھ مگن تھی۔

"برخوردار میری ہسٹری تو جان لی تم نے اب کچھ اپنا جغرافیہ بھی بتاؤ گے؟" انہوں نے کہتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ قدرے چونکا پھر ان کی طرف دیکھتے بغیر ہی مسکرا دیا۔

"ہشام بھائی آپ کی ہسٹری تھی آپ نے بتادی۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے بتانے لائق" وہ دھیمے سے لہجے میں بولا تھا۔

"ہائیں! کیا مطلب ہے ڈائریکٹ آسمان سے ٹپکے ہو؟"

"نہیں خیر" وہ پھر مسکرایا تھا "میرے والدین حیات نہیں ہے ہیں۔"

"اتنا تو میں جانتا ہی ہوں"۔ وہ دھیرے سے ہنسے تھے "تم تو وہ سناؤ جو میں سننا چاہ رہا ہوں"۔

"مجھے کیا پتا آپ کیا سننا چاہ رہے ہیں"۔

"بتاؤں گا وقت آنے پر لیکن ایک بات ابھی بتا رہا ہوں کہ جو زندگی تم جی رہے ہو نا بچے وہ نارمل لوگ نہیں جیتے ہیں"۔

"ہاں شاید میرا لائف اسٹائل کچھ ابنارمل ہی ہے"۔ وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا تھا۔ "ہشام بھائی محبتیں کبھی نہیں ملیں مجھے شاید اس لیے ایسا ہوں میں۔ آپ سے ملنے کے بعد لگا کہ ہاں میں ابنارمل زندگی جی رہا ہوں"۔

"کیوں پہلے احساس نہیں ہوا تھا؟" وہ پوچھنے لگے۔

"نہیں ہوا تھا۔ آپ سے پہلے کوئی اتنا پر خلوص، اتنا اپنا پن لیے ہوئے ملا ہی نہیں یا پھر میں

نے ہی سعی نہیں کی خلوص، اپنائیت تلاش کرنے کی کہ جن سے یہ جذبے بٹے جاتیں تھے ان سے بٹے ہی نہیں تو پھر میرا دل ہی نہ چاہا کہ میں ان جذبوں کو کہیں اور تلاش کروں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"ہشام بھائی میں اکلوتی اولاد تھا اپنے والدین کی پھر بھی مجھے ان کے پاس سے دولت کے سوا کچھ نہیں ملا۔ میں بے تحاشہ محبتوں کا طلبگار تھا اور ممی پاپا مجھے بے تحاشہ دولت دیتے تھے۔ پاپا کو کمانے سے فرصت نہیں تھی اور ممی کو اڑانے سے پتا نہیں کیوں انھوں نے مجھے پیدا کر لیا تھا۔ میرا ابتدائی بچپن نوکروں کے رحم و کرم پر گزرا پھر بورڈنگ اسکول کی زندگی مقدر ہوئی اس کے بعد ہاسٹل نصیب ہوا اور جب تعلیم مکمل کر کے گھر لوٹا تو اس وقت ممی بستر مرگ پر تھیں اور عجیب بات بتاؤں ہشام بھائی انہیں اس حال میں دیکھ کر بھی میرے دل میں ان کے لیے کوئی جذبہ نہیں ابھرا عجیب سی کیفیت تھی میری۔ نہ میں اسے محبت کا نام دے سکا نہ ہی نفرت کا۔ خالی سا ذہن لیے ممی کے بیڈ کے آس پاس رہا کرتا تھا۔ پھر وہ گزر گئیں اور پاپا اس وقت بھی گھر کی بجائے اپنے بزنس ٹور پر فارن میں تھے۔ ممی کی تدفین کے پندرہ دن بعد آئے تھے اور میں ان کے تاثرات سے یہ جاننے کی سعی ہی کرتا رہ گیا کہ انہیں ممی کی موت کا کوئی دکھ ہے یا نہیں مگر میں کچھ اخذ نہیں کر پایا پتا نہیں کیسے بے حس والدین پائے تھے میں نے یا شاید مجھے ہی سلیقہ نہیں تھا جذبوں کو پہچاننے کا۔ خیر پھر میں آئی پی ایس کی تیاریوں میں لگ گیا اور جب امتحان سے فارغ ہوا تو پاپا بھی گزر گئے اور اس وقت بھی مجھے یہ احساس چھو کر نہیں گزرا کہ میرا اب دنیا میں کوئی نہیں رہا۔ احساس ہوتا بھی کیسے ہشام بھائی کہ تنہا ہونے کا احساس تو شاید پیدائش کے ساتھ ہی میرے ساتھ جڑ گیا تھا یوں ممی کی طرح پاپا کی موت پر بھی میرے دل کو کچھ نہیں ہوا۔ مجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ میں والدین جیسی بیش بہا نعمت کھو چکا ہوں۔ احساس تو اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس نعمت کی اہمیت کا مجھے پتا ہوتا، ان رشتوں کا احساس دیا گیا ہوتا مجھے، ان رشتوں سے ہوا ہے ... اپنا سارا بزنس، ساری جائیداد میرے نام ... ان کی وفات کے بعد میں نے سب بیچ کر ساری رقم فلاحی اداروں میں دے دی۔ بس ... رہنے دی جس میں آخری وقتوں میں ممی کے ساتھ دن گزارے تھے میں نے اور آج بھی وہاں ... ہوں۔ اب آپ بتائیں ہشام بھائی میری جگہ ... ہوتے، وہ سارے حالات جھیلے ہوتے جو میں نے جھیلے ہیں تو کیا آپ نارمل زندگی جی سکتے تھے؟" اپنی بات ختم کر کے وہ انہیں دیکھنے لگا تھا۔

"پتا نہیں شاید میرا ری ایکشن بھی قدرے ابنارمل ہوتا مگر تمہاری طرح تو بہرحال نہیں ہوتا۔ تنہا تو نہیں رہتا میں بہت سارے دوست ضرور بناتا۔ تمہارا تو کوئی دوست ہی نہیں ہے بچے۔" وہ مسکرائے تھے۔

"کہاں ہشام بھائی کبھی جی ہی نہیں چاہا اپنی تنہائی سے نکل کر اطراف میں نظریں ڈالنے کا۔ اور یہ کیسے کہہ سکتے ہے کہ میرا کوئی دوست نہیں ہے آپ جو ہیں۔"

"یہ تو میں خود بن بیٹھا ہوں برخوردار ورنہ تم تو لفٹ دینے والے نہیں تھے۔" وہ دھیرے سے ہنس دیے تو وہ بھی مسکرا دیا کچھ کہہ نہیں سکا کہ اسی وقت وہ پانچوں پاس چلے آئے تھے۔

"پاپا چلیں نا سن سیٹ ہونے والا ہے دیکھتے ہیں۔" کاشف کہہ رہا تھا۔

"سن سیٹ یہاں بیٹھ کر بھی دکھائی دے گا بیٹے۔" وہ بولے۔

"پاپا آپ تو بہت لیزی ہیں۔ ہم تو وہاں ایک دم کھائی کے کنارے جا کر دیکھیں گے۔"

کاشف نے منہ بنایا پھر پلٹ کر رواش کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "انکل آپ چلیں ناں۔"

"ہاں چلو۔" وہ فوراً اٹھ گیا تھا۔

"کل کھائی کے قریب مت جانا۔" وہ بے فوراً ٹوکا تھا۔
"ہوں۔" وہ اثبات میں سر ہلا کر کاشف کا ہاتھ تھامے آگے بڑھ گئی تو اس کے پیچھے ساتھ آصف اور یوسف بھی چل دیے جبکہ وہ شاہ احمد کے پاس رک گئی تھی۔
"پاپا آپ منع کریں اسے کہ کھائی کے پاس نہ جایا کریں۔"
"کچھ نہیں ہوگا بیٹے۔ وہ اتنی بھی بچی نہیں ہے اور نہ ہی تم اماں جان ہو جو یوں ہلکان ہو رہی ہو۔" وہ اس کے کہنے پر ہنس دیے تھے۔
"پاپا آپ بھی بس بات نہیں سنتے ہیں۔" وہ چڑ گئی۔
"تمہاری تو ساری باتیں سنتا ہوں میری جان کی بیٹی۔ بیٹھو یہاں۔" انہوں نے کہتے ہوئے اسے پاس بٹھا لیا تھا۔ "وہ سب بڑے ہو گئے ہیں بیٹا اپنا خیال خود رکھ سکتے ہیں، تم کب سمجھو گی؟" اس کا سر تھپکتے ہوئے وہ محبت سے بولے تھے۔ "بس ساری فکریں تمہیں ہماری ہی ہیں اپنے بارے میں بھی کچھ سوچا ہے کبھی؟"
"اپنے بارے میں کیا سوچنا پاپا آپ جو ہیں۔" وہ ان کے کندھے سے سر ٹکا کر مسکرادی۔
"ہاں کہتی تو ہو کہ ہم ہیں تمہارے لیے سوچنے والے لیکن بیٹا جو ہم نے سوچا ہے وہ مانتی کیوں نہیں ہو؟"
"کیا سوچا ہے پاپا اور میں نے بھلا آپ کی کون سی بات نہیں مانی ہے؟" وہ سیدھی ہو بیٹھی۔
"ہم نے تم سے شادی کی بات کی تھی۔ کی تھی ناں؟"
"تو پاپا میں نے کب یہ کہا کہ میں شادی نہیں کروں گی؟"
"لیکن ناں تو رہی ہو ناں ہماری بات۔"
"پاپا میں ہی سال تو مانگ رہی ہوں نا بس گریجویشن کر لینے دیں مجھے۔"

غزل

عقیقہ اعظمی

راہ کے پتھر تھے، گوہر ہو گئے
وہ مقدر کے سکندر ہو گئے

جلوۂ حسن ازل کے سامنے
سرخمیدہ ماہ و اختر ہو گئے

جب سنا پتھر میں جونکیں لگ رہیں
دیدہ و دل سب منور ہو گئے

خود پرستی کی ہوائے سرد سے
موم کے اصنام پتھر ہو گئے

گنبدوں کی خستہ حالت دیکھ کر
غم زدہ سارے کبوتر ہو گئے

دیکھ کر آنسو ترے کیوں کر عقیقہ
جھیل سے نیناں سمندر ہو گئے

"گریجویشن ایسا کچھ ضروری بھی نہیں ہے بچے۔"
"مگر میں کرنا چاہتی ہوں۔ پاپا سمجھیں نا تب تک کاشی مزید سمجھدار ہو جائے گا پھر آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی اسے سنبھالنے میں۔"
"تو یوں کہو ناں کاشی کے اور بڑا ہونے کا انتظار کر رہی ہو۔ گریجویشن تو محض بہانہ ہے۔" وہ مسکرائے تھے۔
"اب آپ جو بھی سمجھیں۔" وہ ہنس دی تھی۔
"ویسے سچی بات تو یہی ہے کہ میں چاہتی ہوں کاشی اور سمجھدار ہو جائے اپنی طرف سے کوئی

نہیں چھوڑنا چاہتی پاپا۔ میں نہیں چاہتی کہ روز محشر جب میرا اُمی سے سامنا ہو تو میرا سر ان کے آگے جھکا ہو بلکہ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اس روز میں اُمی سے فخر سے کہہ سکوں کہ اُمی دیکھیں میں نے آپ سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا ہے۔ جب کہ پاپا اُمی کو یہ یقین تھا کہ وہ کافی کے بعد زندہ نہیں بچیں گی اسی لیے تو ہسپتال جانے سے پہلے انھوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ اگر انھیں کچھ ہو گیا تو ان کے بعد میں اپنے پاپا اور بہن بھائیوں کا خیال رکھوں گی اور یہ جانیں پاپا میں ہیچ طور سے اپنا وعدہ نبھا پائی ہوں یا......"

"نہیں نہیں کیوں بیٹا" انھوں نے بڑی محبت سے اس کی بات کاٹی تھی اسے خود سے لگا لیا تھا۔ "تم نے بخوبی اپنا عہد پورا کیا ہے بیٹے۔ تم یقین رکھو روز محشر تمھیں نادم نہیں ہونا پڑے گا اپنی اُمی کے سامنے خیر ہم شادی کی بات کر رہے تھے۔ اگر آج تمھاری اُمی ہوتیں نا تو ہم تمھاری شادی کر چکے ہوتے۔" وہ ماحول کے بوجھل پن کو کم کرنے کی سعی کر رہے تھے۔

"اتنی جلدی مجھے اپنے گھر سے بھگا دیتے پاپا" وہ مسکرائی تھی۔

"ضرور کیا" وہ ہنس دیے۔ "تمھاری اُمی اکثر مجھ سے کہتی تھی کہ ہماری بیٹیاں جوں ہی اٹھارہ سال کی ہوں گی ہم ان کی شادی کر دیں گے اور میں بھی اس کی بات سے متفق تھا اور اب بھی چاہتا ہوں کہ تمھاری شادی کر دوں۔ تم ہامی بھرو تو میں ابھی کر دوں"۔

"جی نہیں مجھے ابھی نہیں کرنی آپ تو بس مجھے بھگا دینے پر تل گئے ہیں"۔

"نہیں جان تمھیں تو ہم بہت محبت سے رخصت کریں گے۔ خیر یہ بتاؤ میری پسند چل جائے گی تمھیں یا خود پسند کرو گی اپنا دولہا"۔ اب وہ اسے چھیڑ رہے تھے۔

"پاپا میں ماروں گی"۔ وہ کھسیا کر ہنستی ہوئی ان کے کندھے سے لگ گئی تھی۔

"اچھا چلو بتاؤ تو کسی کو پسند ہے تمھیں"۔

وہ ہنس دیے تھے۔

"پاپا کیسی باتیں کر رہے ہیں میں بھلا کسے پسند کرنے لگی آپ کیسے کہہ سکتے ہیں"

"کیوں نہیں کر سکتیں بیٹا۔"

"کوئی نہیں ہے۔"

"تمھارے آس پاس، دائیں بائیں، آگے پیچھے کوئی تو ہوگا بیٹا" وہ جانے اس سے کیا اگلوانا چاہ رہے تھے۔

"ہاں پاپا میرے آس پاس آپ ہیں، میرے بھائی ہیں، بہن ہے اور میری اُمی کی پیاری یادیں ہیں۔"

"او پاپا میں یہ نہیں پوچھ رہا ہوں" انھیں ہنسی آ گئی تھی۔

"تو جو آپ پوچھ رہے ہیں اس کا جواب میں دے چکی ہوں پاپا۔ آپ مجھے غصہ دلا رہے ہیں۔ میں کوئی کام ہی نہیں ہے جیسے مجھے اپنا بر ڈھونڈنے کے سوا" اب وہ چڑ گئی تھی۔

"میری بھولی سی بچی" انھوں نے محبت سے اس کا سر چوم لیا تھا۔ "تمھارے لیے تو ہم نے بر ڈھونڈ لیا ہے"۔ وہ دور کھڑے، غروب ہوتے سورج کے نظارے میں محو واثق عباس پر نظریں جما کر مسکرائے تھے۔

"ابھی پوچھو گی نہیں کہ کون ہے وہ؟" وہ چپ ہی رہی تو وہ کہنے لگے۔

"نہیں"

"کیوں؟"

"بس پاپا میں اس سلسلے میں فی الحال کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی اور آپ پلیز بند کریں یہ ٹاپک"۔

"یار تم بچی ہو میری سمجھیں، اماں کیوں بن جاتی ہو" وہ ہنستے ہوئے اٹھ گئے تھے۔

"آؤ چلیں ہم بھی قریب سے سن سیٹ دیکھیں"۔ اس کا ہاتھ تھام کر اٹھاتے ہوئے چل دیے

مجھے عجیب سی خوشی ہو رہی ہے کیا وہ کہہ گئی۔
"تم یہیں سے چلو گی؟"
"چلیں پاپا آپ آئیں بھی یا جلدی جانا ہے پاس
تصویر کو بھی ساتھ لے لیں۔" مسکرا کر بولی تھی۔
"ٹھیک ہے چلو لیکن جلدی کرو پھر تمہارا بس
اب چلو تو ہم بھی گھر جلدی پہنچ جائیں گے اچھا
بھئی چلو جلدی کرو کیونکہ ٹھیک ہے اور سنو جائے
میں چل چل کرو گے تمہیں نا پاپا۔" وہ ہنستی ہوئی
چیزیں اٹھانے لگی پھر اس طرف آئی تھی جہاں
بچوں نے کھانے پینے کی اشیاء رکھی تھیں
گئی۔
"تھوڑی دیر اور بیٹھیے نا آپی کو۔" آصف
نے صاف کھلی کھلی ہوا میں کہا تھا اس کو۔
"نہیں بیٹا۔ آج اتنا کافی ہے پھر کسی دن
آئیں گے ہم۔" ہشام احمد بولے تو چاروں منہ بناتے
ہوئے ان کے ساتھ سامان سمیٹنے لگے تھے۔
"پاپا تھرماس میں چائے بچی ہے پئیں گے
آپ، گرم ہی ہے۔" وہ پوچھنے لگی تھی۔
"نہیں تو وہ بیٹا میرا موڈ نہیں ہے۔"
"میں بھی نہیں پیوں گا۔" اس نے بھی منع
کردیا۔
"کیوں بھئی بات کیا ہے پانی کی طرح
چائے پیتے تھے تم اور اب میں دیکھ رہا ہوں کہ چائے
پیتے ہی نہیں ہو۔" ہشام احمد پوچھنے لگے۔
"جی ہاں ہشام بھائی ہاں مگر کم ضرور کردی
ہے۔" وہ مسکرایا تھا۔
"ہوں پاپا پتا ہے انکل نے میرے کہنے سے
چائے کم کردی ہے۔" سامان کا باسکٹ لے کر گاڑی
کی طرف بڑھتی ہوئی وہ بولی تھی۔
"تمہارے کہنے سے؟" وہ چونکے تھے۔
"ہاں میں نے ایک بار کہا تھا انکل سے کہ
اتنی زیادہ چائے نہیں پینی چاہیے۔" وہ گاڑی کا بیک
ڈور کھول کر سامان اندر رکھتی ہوئی کہہ رہی تھی اور ہشام
احمد نے اسے دیکھا تھا جو لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ
لیے آصف سے باتیں کرتے ہوئے دھیرے دھیرے قدم
بڑھا رہا تھا۔
"تم بیٹھو بیٹا۔ میں ڈرائیو کروں گا۔" وہ
جب اس نے اسٹیئرنگ سیٹ کی جانب کا ڈور کھولا تو وہ
بولے تھے۔
"نہیں آپ بیٹھیں بھائی میں کروں گا۔" وہ
بولا تو وہ شانے اچکا کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے تھے۔
"انکل مزا آیا ناں آج؟" اس نے گاڑی
اسٹارٹ کرکے آگے بڑھائی تو آصف پوچھنے لگا۔
"ہاں۔" وہ مسکرایا تھا۔
"تو پھر انکل دوسری پکنک کب ہوگی؟"
آصف پوچھنے لگا۔
"جب تم چاہو۔"
"نیکسٹ سنڈے کیسا رہے گا؟" سائرہ بھی
شامل ہوئی تھی ان کی گفتگو میں۔
"اچھا تو ہر سنڈے کو اب تم لوگ پکنک
مناؤ گے۔" بدیعہ ڈانٹنے لگی تھی۔ "امتحان شروع
ہونے والے ہیں تم سب کے اور اب امتحان سے
پہلے کوئی پکنک نہیں ہوگی سمجھے تم سب۔"
"اوہو آپی اب امتحان کا نام لے کر ہمیں
ڈرائیں تو نہیں۔" آصف جھلایا۔
"پڑھتے نہیں ہو ناں اس لیے ڈرتے ہو
امتحان سے۔" وہ ہنسی تھی پھر وانق سے کہنے لگی۔
"انکل ایک گھنٹے بعد کسی ریسٹورنٹ پر گاڑی
روکنا ہم ڈنر پیک کرالیں گے پھر گھر جا کر کھائیں
گے۔ ٹھیک ہے ناں پاپا؟"
"ہاں ابھی تو بھوک نہیں لگی ہے لیکن گھر
پہنچتے ہی لگ جائے گی یا تم اگر ابھی کھانا چاہو
بیٹا؟" وہ پہلے اس سے کہہ کر آصف وغیرہ سے پوچھنے
لگے تھے۔
"گھر چل کر ہی کھائیں گے پاپا۔" سائرہ
بولی تھی۔
"پاپا یہ بجائیں نا۔" کاشف نے کیسٹ
ماؤتھ آرگن تھمایا تھا۔

"ہنسی سے کہو بیٹا"۔ وہ مسکرائے تھے۔

"نہیں یار مجھے نہیں آتا"۔ وہ فوراً بولا تھا۔

"یار تمہیں آتا کیا ہے آخر؟" ہشام احمد پوچھنے لگے۔

"ہشام بھائی آپ جیسا تو نہیں ہوں میں کہ ہر کام کرسکوں"۔ وہ مسکرایا تھا۔

"کرو پڑھنے کی نا تو سب کرنا آجائے گا"۔ وہ ہنسے پھر ماؤتھ آرگن بجانے لگے تھے۔ آتے وقت آصف وغیرہ خوب شور مچا رہے تھے، گانے گا رہے تھے، تالیاں پیٹ رہے تھے مگر اب واپسی میں تھکن کے سبب ذرا چپ چپ سے تھے۔ صائمہ تو سو گئی تھی، کاشف بھی اونگھنے لگا تھا جبکہ آصف اور واصف گاہے بگاہے اس سے باتیں کر لیتے تھے۔

"کہاں چلے تم؟" اور جب گھر پہنچ کر گاڑی سے نکل کر وہ اپنی بائیک کی طرف بڑھا جو وہ صبح یہیں چھوڑ گیا تھا تو ہشام احمد پوچھنے لگے۔

"گھر اور کہاں"۔ وہ بولا۔

"کھانا کھا کر جانا بھئی اتنی بھی کیا جلدی ہے"۔

"نہیں ہشام بھائی بھوک نہیں ہے مجھے"۔

"چلو یار مت کھانا مگر ذرا دیر بیٹھو تو سہی"۔ وہ مصر تھے۔

"پھر کسی دن ہشام بھائی۔ ابھی تو جانے دیں"۔

"اوہو انکل چلیں نا۔ ایک تو آپ مسکہ بہت لگواتے ہیں"۔ اس کی نہ نہ پر بدیعہ بولی تھی صرف بولی ہی نہیں تھی بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کے آگے بڑھ گئی تھی اور وہ بھی کشاں کشاں اس کے قدم سے قدم ملاتا چلا گیا تھا۔

"واثق عباس تم کس دن عیاں ہو گے۔ مجھ میں تو شدت سے منتظر ہوں اس دن کا"۔ دونوں کو ساتھ چلتا دیکھ کر ہشام احمد سوچ کر مسکرائے تھے۔

☆☆☆

اس نے بارہا سوچا تھا کہ وہ بدیعہ کے لیے ہشام بھائی سے بات کرے گا مگر حوصلہ نہیں کر پایا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ انکار نہ کر دیں اور ان کے منہ سے انکار سننے کا ہی حوصلہ وہ خود میں نہیں پاتا تھا اور دن اپنی رفتار سے گزرتے جا رہے تھے۔ تین سال بیت گئے تھے مگر وہ بدیعہ کے لیے ان سے کوئی بات نہیں کر پایا تھا۔ اس دوران وہ بارہا ان کے گھر گیا تھا ان کے بچوں کے ساتھ وقت گزارا تھا، بارہا ہمتیں جمع کی تھیں کہ ان سے بات کرے مگر جب ان کے سامنے آتا تھا تو جیسے ساری ہمتیں ہار جاتی تھیں۔ جانے کیوں ذہن میں یہ خدشہ جم گیا تھا کہ وہ انکار کر دیں گے اور اس عرصہ میں ہشام احمد اسے اکثر مشورہ وہ دیتے رہے تھے کہ "اب تمہیں شادی کر لینی چاہیے"۔

"کہو تو کوئی اچھی لڑکی دیکھوں تمہارے لیے"۔ مشورہ کے ساتھ وہ اپنی خدمات بھی پیش کرتے تھے۔

"ابھی نہیں ہشام بھائی"۔ وہ ہر بار یہی جواب دیتا تھا۔

"کوئی پسند ہے؟" انہوں نے بارہا کریدا تھا اور اس کا جی چاہا تھا وہ فوراً بدیعہ کا نام لے دے مگر دل کی اس شدید خواہش کو وہ لبوں پر لا ہی نہیں پایا تھا۔

"ہشام بھائی میں شاید آپ سے کبھی نہیں کہہ پاؤں گا کہ مجھے آپ کی بیٹی سے محبت ہے۔"

"کہہ بھی دیا تو آپ یقیناً انکار کر دیں گے کہ آپ تو اپنی بیٹی کے لیے ایک مکمل انسان چاہتے ہیں جو آپ کی بیٹی کو ہر خوشی دے اور آپ کی نظر میں میں شاید مکمل نہیں ہوں"۔ اپنی تنہائیوں میں وہ اکثر سوچتا رہتا تھا۔

☆☆☆

"بدیعہ بیٹے میرے بیڈ روم کے بازو والا کمرہ کھول کر اس میں ایک بیڈ سیٹ کردو"۔ شام کو گھر میں داخل ہوتے ہی ہشام احمد بولے تو وہ قدرے حیرانی سے پوچھنے لگی۔

"کس لیے پاپا کوئی آرہا ہے کیا؟"
"نہیں رہا محلے میں زیدی کو لا رہا ہوں اس کی طبیعت ہے۔"
"کیسے پاپا؟" وہ بھی چونکیں۔
"زیدی کو؟"
"ہاں انکل کو۔" وہ حیران ہوئی۔ "کیا وہ ہمارے ساتھ رہیں گے؟"
"نہیں بیٹے کچھ دنوں کے لیے لا رہا ہوں۔ بہت بیمار ہے۔" وہ طویل سانس لے کر کہنے لگے۔ "طبیعت خراب تھی اس کی اس لیے تین دن کی چھٹی لی تھی اس نے مگر آج ایک ہفتہ ہو گیا اس نے ڈیوٹی جوائن نہیں کی تو میں خیریت پوچھنے چلا گیا اور جب معلوم ہوا کہ اس کی حالت کتنی بگڑی ہوئی ہے۔ میں تو سمجھا تھا کہ موسم کی تبدیلی کی وجہ سے طبیعت گراں ہوئی ہوگی مگر جب اس کے گھر گیا تو پتا چلا کہ وہ کتنا سیریس ہے۔ اسے تو ہاسپٹلائز ہونا چاہیے تھا مگر گھر میں ہی پڑا ہے پہلے میں نے سوچا کہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرادوں پھر سوچا گھر ہی لے آؤں۔ بہت کیئرلیس لڑکا ہے۔ پتا نہیں زندگی سے اتنا بیزار کیوں پھرتا ہے۔ خیر تم کمرہ ٹھیک کرو بیٹے میں اسے لے کر آتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے جانے کے لیے اٹھ گئے تھے۔
"میں چلوں پاپا؟" آصف پوچھنے لگا۔
"نہیں بیٹے میں لے آؤں گا۔" وہ کہتے ہوئے چلے گئے تھے اور جب اسے لے کر آئے تو اس کی حالت دیکھ کر کتنی ہی دیر تک وہ سب دیکھ کچھ کہہ ہی نہ پائے تھے۔ ہشام احمد کے بازوؤں میں وہ نیم بیہوش سا تھا۔ آصف اور واصف نے بڑھ کر سہارا دیا تھا اور لا کر بستر پر لٹا دیا تھا۔
"پاپا انکل کو تو ہاسپٹلائز کرنا چاہیے۔" اس کی حالت کے پیش نظر واصف کہنے لگا۔
"میں نے سوچا تھا مگر پھر گھر ہی لے آیا۔ یہاں رہے گا تو ہم سب دیکھ بھال باقاعدگی سے دوائیں وغیرہ دیتے رہیں گے تو جلد ٹھیک ہو جائے گا ہاسپٹل میں اس لیے نہیں چھوڑا کہ بھروسہ نہیں ہے اس پر دوائیں ٹھیک سے کھاتا نہیں ہے جان بوجھ کر۔" وہ اس کے سرہانے بیٹھ گئے تھے۔ اس کا سر سہلا رہے تھے جب کہ مدیحہ اس کی تپتی پیشانی پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے لگی تھی۔
"میں ڈاکٹر کو لے آؤں پاپا؟" آصف کہہ کر جانے لگا۔

سچی محبت

پاکیزہ زندگی گزاریں کسی کا خواب آنکھوں میں نہ سجائیں۔ اپنی رفاقتوں، قربتوں، مسکراہٹوں کو ضائع مت کریں کیونکہ یہ کسی کی امانت ہیں۔

شادی سے پہلے کی محبت ناپائیدار ہوتی ہے کیا معلوم رفاقت ملے یا نہ ملے۔

پھر ہم اپنے شریک زندگی کو کیا دیں گے جس کا ساتھ ساری عمر کا ہوتا ہے۔

آئیڈیل نہ بنائیں جو قسمت میں لکھا ہے خوشی سے قبول کریں۔

محبت ایک روگ ہے جو کبھی مارتی ہے اور کبھی زندہ کرتی ہے۔

وقتی محبت سے بچیں، وہ بھی خوشگوار زندگی صرف دل لگی کہلاتی ہے۔

سنا ہے محبت کے بغیر زندگی ادھوری ہے جس کا احساس ہر پل رہتا ہے کاش میں بھی کسی سے محبت کروں یا مجھ سے کوئی محبت کرے سب کا دل اکثر کہتا ہے۔

سچی محبت وہی ہوتی ہے جو کسی کو چاہے اور وہ کسی اور کو چاہے۔

(رضا فاطمہ ..... دہلی)

"میں فون کر چکا ہوں بیٹے۔ ڈاکٹر آتا ہوگا۔" وہ بولے تو آصف اس کے بیڈ کے پاس آرکا۔

"پاپا یہ انکل ایسے کیوں ہیں؟" صائمہ پوچھ رہی تھی۔

"کیسے ہیں بیٹا؟" وہ چونکے تھے اس کے سوال پر۔

"عجیب سے یوں لگتا ہے جیسے جبراً جیتے مسکراتے ہیں۔ انٹرسٹ ہی نہیں ہے جیسے زندگی سے۔"

"ہوں" صائمہ کی بات پر وہ محض مسکرا کر رہ گئے تھے۔ پھر ڈاکٹر آ گیا تھا اور اسے چیک کرنے کے بعد ہاسپٹل میں داخل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

"جو بھی، جیسا بھی علاج کرنا ہے یہیں کریں ڈاکٹر۔" وہ بولے تھے اور تب ڈاکٹر اس کے ٹریٹ منٹ میں لگ گیا تھا اور جب گھنٹوں بعد بخار کا زور ٹوٹنے پر اس نے آنکھیں کھولیں تو پہلی نظر ہشام احمد پر پڑی جو اس کے پاس ہی بیٹھے تھے۔

"نہیں لیٹے رہو۔" وہ اٹھنے لگا تو انہوں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر منع کر دیا۔

پھر کہنے لگے "جی تو چاہتا ہے کہ اچھی کھری کھوٹی سناؤں تمہیں کہ طبیعت صاف ہو جائے تمہاری۔ یوں کیا جاتا ہے، بھلا بتاؤ آج میں نہیں آتا تو پتا نہیں کیا ہو جاتا مر جاتے پڑے پڑے اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ واثق بچے تم جینا کب سیکھو گے آخر؟" وہ اپنائیت سے ڈانٹ رہے تھے اور اس نے کچھ کہنے کی بجائے پلکیں موند لیں تو آنکھوں کے گوشوں سے کتنے ہی آنسو پھسل کر تکیے میں جذب ہو گئے۔

"واثق بیٹا" وہ پکار کے اس پر جھکے۔

"میں تو جینا چاہتا تھا ہشام بھائی مگر محبتوں کے بغیر کب تک جیتا۔" اس کے لہجے میں عمر بھر کی تھکن در آئی تھی۔

"یوں نہیں کہتے بچے کیا ہماری محبتیں

تمہارے ساتھ نہیں ہیں؟" وہ اس کی پیشانی پر سے بال پرے کرتے ہوئے بولے تھے۔

"یہی ہے تو اب تک زندہ [illegible]

وحشتوں" وہ بات ادھوری ہی چھوڑ کر [illegible]

"تاکہ زندہ ہو جیتا تو تمہیں [illegible]

سکتا ہوں گا۔" وہ بولے تھے جب ہی [illegible] ہوئی کمرے کے دروازے پر آ رکی تھی۔

"پاپا انکل جاگ جائیں تو بتایئے گا مجھے [illegible] دلیہ بنایا ہے، جوس بھی تیار ہے میں لے آؤں [illegible] آپ کھلا دیں گے۔"

"یہ جاگ گیا ہے بیٹے۔ تم لے آؤ [illegible] وغیرہ۔" وہ بولے تو وہ وہیں سے سر ہلا کر واپس پلٹ گئی تھی اور وہ اس سے کہنے لگے تھے۔

"واثق بیٹا اٹھو۔ منہ ہاتھ دھو لو۔ اٹھ سکتے ہو؟"

"جی بھائی۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ [illegible] ساتھ اٹھ بیٹھا تھا پھر بیڈ سے اترا تو وہ پوچھنے لگے۔

"چکر تو نہیں آ رہے نا؟"

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" وہ دھیرے سے [illegible] دھیرے سے قدم بڑھاتا ہوا باتھ روم کی جانب چلا گیا تھا اور ہشام احمد اس کے پیچھے ہی تھے مگر باتھ روم میں داخل نہیں ہوئے تھے اور جب وہ باہر نکلا تو بازو تھام کر اسے بیڈ تک لے آئے تھے جو بیٹھ کر اب گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اس اثناء میں بدیعہ کھانے کی ٹرے لے آئی تھی۔

"کتنے ویک ہو گئے ہیں انکل آپ" کھانے کی ٹرے اس کے آگے سیٹ کرتی ہوئی وہ کہنے لگی تھی۔ "جب پاپا لے کر آئے تھے تو ہم ڈر ہی گئے تھے آپ کی حالت دیکھ کر۔ انکل جب اپنا خیال رکھنے والا کوئی نہ ہو تو خود کو اپنا خیال رکھنا چاہیے یہ سوچ کر خود کو حالات کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ دینا چاہیے کہ ہمارا کوئی ہے ہی نہیں کوئی نہ ہو انکل مگر وہ اللہ تو ہے نا جس نے زندگی دی ہے اور سلیقہ دیا ہے جینے کا۔ اس نے بھی تو نہیں چھوڑ دیا ہے ہمیں حالات کے رحم و کرم

"دیکھو کتنے بچے کی بات کی ہے میری بچی نے۔ سو اور قبول کر لیجیے۔" ہشام احمد بولے تو وہ کھل کر مسکرا دیا پھر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔

"چلو اب کھانا کھاؤ پھر دوائیں لینا۔" بدیعہ بیٹے وہ کیا لائی ہو تم؟" وہ پہلے اس سے کہہ کر بدیعہ سے پوچھنے لگے۔

"دلیہ گرم کر کے رکھا ہے پاپا۔ ابھی لے آتی ہوں اور انکل جتنا دلیہ لائی ہوں سب کھانا ہے آپ کو۔" وہ کہتی ہوئی چلی گئی تھی۔

"ہشام بھائی بہت تکلیف دے رہا ہوں آپ کو۔" وہ دھیرے سے بولا تھا۔

"یہ غیروں والی بات مت کرو ورنہ دوں گا ایک بھائیچارہ" وہ خفگی سے بولے۔

"چلو اب کھاؤ بھی اور سب کھانا ہے۔ بچا نہیں چاہیے کچھ بھی سمجھے۔"

"سب تو نہیں کھاؤں گا۔"

"کھانا پڑے گا بابا۔ اسی لیے تو نہیں چھوڑا تمہیں کہ جانتا ہوں وہاں ڈاکٹروں اور نرسوں کی تو تم سننے والے نہیں تھے اور وہ زبردستی کرنے سے تو رہے۔ زبردستی تو ہم کر سکتے ہیں۔ چلو کھاؤ اب" وہ بولے تھے اور اس کی نہ نہ کے باوجود اسے سارا دلیہ اور جوس کھلا پلا کر ہی چھوڑا تھا پھر بدیعہ دودھ لے آئی تو دواؤں کے ساتھ اسے وہ بھی پینا پڑا۔

"پھائنہ وغیرہ سو گئے کیا بیٹے" وہ خالی برتن سمیٹ رہی تھی جب انھوں نے پوچھا۔

"جی پاپا! دیر ہوئی سب سو گئے۔ اب آپ بھی آرام کریں۔ میں آپ کا بستر بھی اسی کمرے میں لگا دیتی ہوں۔ انکل کو کسی چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے رات میں۔" وہ بولی تھی۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے بیٹا میں اپنا بستر یہیں لگا لیتا ہوں اور تم بھی اب سو جاؤ جا کر۔"

"ہشام بھائی میں ٹھیک ہوں۔ آپ اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں" وہ بولا

"کچھ ٹھیک نہیں ہو تم، اتنا غصہ آ رہا ہے تم پہ، جی چاہتا ہے بیٹ کر رکھ دوں تمہیں۔" انھوں نے ڈانٹ دیا تھا۔

"انکل اتنے بڑے ہو کر ڈانٹ کھانے والا کام کرتے ہیں آپ" وہ ہنستی ہوئی ٹرے سیٹ کر چلی گئی تھی اور دوبارہ گدا اٹھائے داخل ہوئی تھی۔

"ارے رے بیٹا۔ میں نے کہا تھا میں اپنا بستر لگا لوں گا۔ تم کیوں اٹھا لائی ہو؟" ہشام احمد نے بڑھ کر گدا اس کے ہاتھوں سے لے کر فرش پر ڈال دیا تھا۔

"آپ رہنے دیں پاپا۔ میں کر رہی ہوں نا" وہ انھیں روک کر گدے پر چادر ڈالنے لگی پھر تکیہ بھی رکھ کر کہنے لگی۔

"اب سو جائیں پاپا اور پلیز انکل کو اتنا ڈانٹیں بھی نہیں ویسے ہی بیمار ہیں۔"

"ہوں" وہ مسکرائے تھے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر پیشانی چومی تھی۔ "جاؤ اب تم بھی سو جاؤ بیٹا۔" وہ بولے تھے تب وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی تھی اور ہشام احمد نے اسے دیکھا تھا جس کی نظریں وہیں جمی تھیں جہاں سے بدیعہ گئی تھی۔

"واثق بیٹے لیٹ جاؤ" وہ بولے تو وہ چونکا پھر طویل سانس لے کر ان کی طرف دیکھے بغیر ہی لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں تھیں۔ پھر ایک ایک کر کے تین چار دن بیت گئے تھے۔ وہ بس اس کا بے حد خیال رکھ رہے تھے۔ اپنی باتوں سے اپنے سلوک سے اس کی طبیعت بحال کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ وہ بھی اتنی توجہ اور محبتیں پا کر تیزی سے روبصحت ہونے لگا تھا اور پانچویں دن ہشام احمد سے کہنے لگا۔

"ہشام بھائی اب مجھے جانا چاہیے۔ میں بہتر محسوس کر رہا ہوں خود کو۔"

"نہیں ابھی کچھ دن اور رہو۔ مجھے بھروسہ نہیں ہے تم پہ، اکیلے رہو گے پھر کیئرلیس ہو جاؤ گے جب تک میں نہ کہوں تم جانے کا نام نہیں لو گے۔" انھوں نے دوٹوک انداز میں منع کر دیا تھا۔

"ہشام بھائی میں ٹھیک ہوں کل سے ادھر ہی
ہوں، کر رہی ہوں۔" "نہیں بیٹی انکل جب تک بالکل ٹھیک
نہیں ہو جاتے تب میں تمہیں یہاں سے جانے دوں گا
تمہاری ایک بھی نہیں سننے دوں گا۔" وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا
"ہشام بھائی میں..."
مگر کہہ نہ سکا کیونکہ بیٹی نے بات کاٹ دی تھی۔ ابھی
وقت وہ ہشام احمد کے پیچھے چلے جائے اور ان کے لیے
چائے بنا کر لے آئی تھی۔ "انکل آپ بات مت کریں۔ پاپا
ابھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ فی الحال جانے کی بات مت
کریں۔" اس نے کہتے ہوئے ہشام احمد کی طرف
چائے کا کپ بڑھایا تھا پھر اسے جوس کا گلاس تھما کر
پوچھنے لگی تھی۔ "کچھ کھائیں گے؟"
"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"آپ کے لیے لادوں پاپا کا بھی کی فرمائش
پر بڑے بنائے ہیں میں نے" وہ ان سے پوچھنے
لگی۔
"نہیں بیٹا اب رات کو ہی کھائیں گے ہم
کھانے کے ساتھ۔" وہ بولے۔
"جی نہیں کھانا ہے تو ابھی کھالیں کھانے کے
وقت میں نہیں دوں گی۔ وہی بڑے ہی کھا کر پیٹ
بھرلیں گے پھر کھانا نہیں کھائیں گے آپ پتا ہے
مجھے۔"
"یار تم میری اماں ہو یا بیٹی؟" وہ ہنس رہے
تھے۔
"دونوں ہوں۔" وہ بھی ہنسی پھر کہنے لگی۔
"لا کر دوں بڑے؟"
"نہیں بیٹا ذرا بھی موڈ نہیں ہے بعد میں۔
اور باقی سب کہاں ہیں؟" وہ پوچھنے لگے۔
"بڑے بیٹھا کر آئی ہوں۔ بس سارا دن ادھر ادھر
گھمائے رہتے ہیں انکل کا دل بہلانے کی آڑ میں۔" وہ
بچی ہوئی خالی کپ اور گلاس لے کر چلی گئی تھی۔
"آپ کی بیٹی بہت اچھی ہے ہشام بھائی۔
سب کا خیال رکھنے والی۔" وہ دھیرے سے بولا تھا۔

"ہاں وہ تو ہے پر تم تو ہم سے ...
بہت ہی بہتر ... بہت خوش ہو کر ...
اسے ابھی طرح سمجھا دیا تھا۔
"بس اور ابھی۔" وہ ...
"یہ کیا ابھی اور ابھی ..."
اپنے ... چھوڑ کے کر سکیں ...
ہے ... وہ اس کی کیفیت سے خوب ...
اور وہ تمہیں چھوڑ کے ...
دیکھے جا رہا تھا۔ وہ جو بے ...
ایک دم ہشام کے گلے لگ گیا تھا۔
"تھینکس ہشام بھائی" ... اس کی
خوشی کے ساتھ آنسوؤں کی بھی ...
"کوئی ضرورت نہیں ہے ...
کی۔ بتاؤ کتنے برسوں سے منتظر ہوں میں ...
سے کہ کر تمہیں میری بیٹی کی چاہ ہے تمہاری ...
بہت پہلے دیکھ لی تھی میں نے اپنی بچی کی ...
تھا تمہاری ... کا ... مگر ... نہیں کہ ...
اچھے تھے ... ایک بار تو کہتے بیٹا میں ...
سونپ دیتا تمہیں۔" اس کی پشت تھپکتے ہوئے
کہہ رہے تھے۔
"میں کیسے کہتا ہشام بھائی بھی ...
نہیں کر پایا۔"
"لیکن کیوں؟"
"میں ڈرتا تھا کہیں آپ انکار نہ کر دیں۔"
"میں کیوں انکار کرتا بیٹے۔ ایسا کیوں ...
تم نے؟"
"آپ نے ایک بار کہا تھا ہشام ...
آپ اس کے لیے ایسا بر چاہتے ہیں جو اسے زندگی کی
ہر خوشی دے سکے اس کے ان خوابوں کی تعبیر بھی ...
جو اس نے دیکھے نہیں۔ اور میں خود کو اس پوزیشن ...
نہیں پاتا تھا ہشام بھائی۔ جنہیں ابھی نہیں ملیں
میں تو خود تشنہ رہا ہوں پھر اسے کیسے سیراب کرتا
کی تمنا دل نے کر لی تھی۔" وہ دھیرے دھیرے ...
تھا۔

"ابھی ہو تم" وہ مسکرا رہے ہیں۔ بڑی محبت سے ... کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر پیشانی چومی تھی۔ ... سارے خدشے ذہن سے جھٹک دو بیٹا کیونکہ میں جانتا ہوں میری بچی کو تم سے زیادہ کوئی نہیں چاہ سکتا اور ... خوش رکھ سکتا ہے جتنا تم رکھ سکتے ہو۔"

"تھینکس ہشام بھائی! تھینک یو سو مچ۔" وہ بہت ... سے مسکرایا تھا اور ہشام احمد نے آج اس کی ... اداس رہنے والی آنکھوں کو بھی مسکراتے دیکھا تھا۔

"کیا وہ مانے گی ہشام بھائی؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ اس کی آواز ...

"کیوں نہیں مانے گی؟"

"انکل کہتی ہے نا مجھے" وہ بے چارگی سے ... دلا تو انہیں ہنسی آگئی۔

"تو کیا ہوا؟" وہ کہنے لگے "میرے کولیگ ... آنکھوں سمیت اس ناطے سے وہ تمہیں انکل کہتی ہے تو کیا ہوا کوئی ... شبہ اور خدشہ نہیں ہے میں بات کروں گا اس سے اور یقین ... مجھے وہ انکار نہیں کرے گی۔ ویسے تم نے اسے بھی ... سو بار ... ہوگا کیوں نہیں کہ انکل نہ کہے۔"

"بتایا ناں ڈرتا تھا آپ سے" وہ زیر لب مسکرایا تھا۔

"اچھاجی" انہوں نے دھپ جمائی تھی۔

"نہیں ہشام بھائی جی" وہ کہنے لگا "جب اس کی چاہ نے دل میں گھر کیا تو میں سچ سچ بہت پریشان ہو گیا تھا یہ سوچ کر کہ آپ پتا نہیں کیسا ری ایکٹ کریں گے اس لیے میں کبھی اس سے کچھ کہہ نہ پایا۔"

"کوئی بات نہیں بچے میں کہہ دوں گا۔ جی تو ... چاہتا ہے ابھی کہہ دوں پھر سوچتا ہوں وہ ڈسٹرب ہو جائے گی جو میں نہیں چاہتا" وہ کہہ رہے تھے۔ "[illegible] ایل ایل بی۔ اے فائنل ایگزام کی تیاریوں میں بزی ... ہے یوں بھی گھر اور ہماری ذمہ داریوں میں گھر کر ذہنی یکسوئی کم ہی ملتی ہے اسے اب اس نئے رشتہ کا ذکر چھیڑوں گا تو اور بھی منتشر ہوگا اس کا ذہن پھر وہ ٹھیک

غزل

شفیق عدوی، الریاض

وفا میں خوئے دل آزار، کیا یہ
تماشا یوں سر بازار، کیا یہ

گلی کا موڑ ہے وہ سامنے گھر
چلے آؤ، کھڑے تکرار، کیا یہ

ہے دل میں، کیا بتا دیتی ہیں آنکھیں
محبت کا چھپا اظہار، کیا یہ

میں دست بے دوا ہوں اس صدی کا
مریض عشق کیا، بیمار، کیا یہ

جسے دیکھا ہے کرتا طنز تم پر
یہ سر، یہ جبہ و دستار، کیا یہ

وہ کیا ہے ہر کوئی جو تم سے مانگے
لب و رخسار، گل، گلزار، کیا یہ

اشاروں میں دلوں کا مدعا کیوں
جو کہنا ہے کہو گفتار، کیا یہ

لٹیروں کا یہ شاید عہد زریں
تفنگ و تیر کیا، تلوار کیا یہ

سے پیپرز بھی نہیں دے پائے گی۔ پرسوں سے اس کے پیپرز ہونے والے ہیں۔ وہ ہو جائیں تو پھر میں اس سے بات کروں گا پہلی فرصت میں۔"

"اور اگر اس نے منع کر دیا تو۔"

"تو کیا ہوگا مر جاؤ گے تم؟" وہ مسکراہٹ چھپا گئے تھے۔

"شاید" وہ دھیرے سے بولا تھا۔

''وہ منع نہیں کرے گی۔ میں جانتا ہوں تم
اپنی بیٹی کو۔ تمہیں یقین چاہیے نا، میں دے رہا ہوں
نا۔ نہیں آتا تو ابھی بلا کر تمہارے سامنے پوچھتا ہوں،
سن لینا کیا کہتی ہے۔ بلاؤں اسے؟'' وہ پوچھ رہے
تھے۔

''نہیں'' وہ مسکرایا تھا۔

''ٹھیک تو جلدی سے فٹ فاٹ ہو جاؤ پندرہ
دنوں کے اندر اندر میں تمہیں اپنی بیٹی سونپ دوں گا''
انہوں نے کہتے ہوئے ایک بار پھر اس کی پیشانی چومی
تھی۔

☆☆☆

مکمل طور سے صحت مند ہو جانے پر اس نے
ڈیوٹی جوائن کرلی تھی اور تن دہی سے اپنے فرائض کی
انجام دہی میں مصروف ہو گیا تھا۔ ان دنوں مجرموں کی
سرگرمیاں کافی بڑھ گئی تھیں، جس کی وجہ سے ہمہ وقت
الرٹ رہنا پڑتا تھا۔ کام کا دباؤ بہت تھا پھر بھی وہ بہت
خوش تھا اور منتظر تھا ہشام احمد سے بدیعہ کے راضی
ہونے کا مژدہ جانفزا سننے کا اور قبل اس کے کہ ہشام
احمد اسے یہ مژدہ جانفزا سناتے وہ اپنی جان سے گزر
گئے۔ ایک رات جب کہ وہ سونے کی تیاریوں میں تھا
اسے بدیعہ کی کال موصول ہوئی تھی۔

''انکل پاپا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ سٹی
ہاسپٹل میں ہیں''۔ اس کی ہیلو سنتے ہی وہ بلاتمہید کہتی
ہوئی رو پڑی تھی اور اسے مزید کچھ پوچھنے کا ہوش نہ رہا
تھا سوائے یہ کہنے کے کہ ''میں آ رہا ہوں''۔

''انکل ہمارے پاپا'' وہ جونہی ہاسپٹل پہنچا وہ
چاروں اس سے لپٹ کر شدتوں سے رو دیے تھے اور
وہ انہیں سمیٹتا ہوا اسے دیکھنے لگا جو دیوار سے ٹیک
لگائے کھڑی خالی خالی نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہی
تھی۔

''پاپا نہیں رہے'' کہتے کہتے آنسو بہت تیزی
سے اس کی آنکھوں سے پھسلے تھے۔

''نہیں'' شاک کی سی کیفیت سے دو چار وہ
فقط اسی قدر کہہ سکا تھا۔ وہ چاروں اس سے لپٹے بے

تحاشہ رو رہے تھے جبکہ اس کی سمجھ
طرح ان سب کو تسلی دے اور کس طرح
دلائے ہشام احمد کی موت کا۔

''ایکسیڈنٹ اسپاٹ سے ان کی
ڈیڈ باڈی ہاسپٹل پہنچائی گئی تھی۔ ان کی کار
میں آ گئی تھی اور وہ چاہ کر بھی ......''
پانے کی سعی کرتی ہوئی بتا رہی تھی۔

''بیل۔ لیکن ہشام بھائی تو
ڈیوٹی آف کر کے نکلے تھے۔ ان کی گاڑی
گھر کے گیٹ میں داخل ہوتے دیکھی
بائیک اپنے گھر کی طرف بڑھا لے گیا تھا
اس نے گویا خود کو تسلی دینا چاہی تھی کہ
احمد نہیں ہوگا۔

''ہاں پاپا آئے تھے گھر پر کھانا
یہ کہہ کر چلے گئے کہ کسی سے ضروری ملنا ہے
میں واپس آ جائیں گے۔ وہ تو نہیں آئے
ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہی ہاسپٹل سے فون آ گیا ہم
کہ وہ جائے حادثہ پر ہی جاں بحق ہو چکے
کہتے وہ شدتوں سے رو پڑی تھی۔

''پاپا ہمارے پاپا انکل''۔ وہ چاروں
تحاشہ سسک رہے تھے۔

''میں ہوں میں ہوں نا مت رو نا تم
بہت بہادر ہو اور بہادر لوگ روتے نہیں ہیں
پلیز سنبھالو خود کو بھی اور ان سب کو بھی''۔ اس
میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان سب کو کیسے تسلی
کس طرح ان کے دکھ کا مداوا کرے۔

''ہمیں اکیلا چھوڑ دیں گے انکل آپ
ہشام احمد کی تدفین کے بعد ان کے جنازہ میں
افراد ایک ایک کر کے قبرستان سے جانے لگے
بھی خالی الذہن سا ان کے پیچھے چل دیا تو
نے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا تب اس
طرح چونک کر اطراف میں نظریں ڈالی
واصف اور کاشف بھی اس کے پاس ہی کھڑے
''نہیں''۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے

نجانے کیوں ایک بار پھر آنکھوں سے بے تحاشا آنسو
بہنے لگے تھے۔ وہ تکیوں کو سیدھا کر کے واپس بیٹھ گیا تھا اور
تکیے میں کافی دنوں تک ان کے ساتھ رہا تھا اس سب نے
ہشام احمد کا گھر اس کے تصرف میں دے دیا تھا اور
کاشف جواب تو سال کا تھا جسے اب بھی ہشام احمد
کے سینے پر سر رکھ کر سونے کی عادت تھی ہشام احمد کے
بعد اب اس کے سینے پر سر رکھ کر سونے لگا تھا اور اسے
یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے ہشام احمد کی جگہ ان کے
بچوں نے اسے دے دی ہے۔

"یہ پاپا نے دیا تھا آپ کے لیے۔" اس روز
جب وہ ڈیوٹی آف کر کے لوٹا تو بدیعہ نے کہتے ہوئے
کافی دبیز سا لفافہ اسے دیا تھا۔ "حادثے سے ایک دن
پہلے یہ لفافہ پاپا نے مجھے دیا تھا یہ کہہ کر اگر پاپا کو
ان کی ذمہ داری ہو جائے تو میں یہ آپ کو دے دوں۔" وہ
بولی اور وہ بند لفافہ اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھنے
لگا۔ جس پر اسی کا نام لکھا ہوا تھا۔

"کیا ہوگا اس میں؟" وہ پوچھنے لگا۔

"مجھے نہیں پتا پاپا نے اسی طرح پیک دیا تھا تو
میں نے بھی کھول کر دیکھنا ضروری نہیں سمجھا آپ دیکھ
لیں آپ ہی کے کام کی کوئی چیز ہوگی۔" وہ کہتی ہوئی
چلی گئی تھی اور تب اس نے طویل سانس لے کر لفافہ
چاک کیا تھا۔ وہ کچھ زرعی زمینوں کی ملکیت کے
کاغذات تھے، کچھ بینک اکاؤنٹس کی تفصیل تھی اور
ہشام احمد کا ایک مختصر سا خط بھی تھا جو انہوں نے اسے
مخاطب کر کے ہی لکھا تھا۔

"واثق بیٹے کوئی لمبی چوڑی جائیداد نہیں ہے
میرے پاس جو بھی ہے تمہاری نگرانی میں دے رہا
ہوں۔ میرے بیٹے ابھی اتنے بڑے نہیں ہیں کہ ان
زمینوں کی پیداوار کا حساب کتاب خوش اسلوبی سے
سنبھال سکیں۔ بیٹا مجھے امید ہے تم میرے بچوں کی مدد
کرو گے۔ میں نے ملکیت کے سارے حقوق
تمہارے نام کر دیے ہیں اس یقین کے ساتھ کہ تم
میرے بچوں کو میری کمی محسوس نہیں ہونے دو گے۔
فقط تمہارا ہشام بھائی۔"

"میں کوشش کروں گا ہشام بھائی۔ مگر میں
آپ جیسا تو نہیں بن سکتا۔" اس نے طویل سانس
لے کر مختصر سا خط دوبارہ پڑھا تھا مگر الفاظ نہیں جیسے جو بیر رکھتا
چاہ رہی تھیں وہ اسے نظر آ رہی تھی۔

"ہشام بھائی آپ کی بیٹی آج بھی مجھے انکل
کہتی ہے آپ نے شاید اس سے بات نہیں کی اس
خط میں بھی کوئی ذکر نہیں ہے اس رشتے کا جو آپ نے
مجھ سے جوڑنے کا وعدہ کیا تھا۔" وہ سوچوں میں گم
تھا۔ "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس سے بات کی
ہو اور اس نے انکار کر دیا ہو۔ یا ایسی بات ہوئی ورنہ
آپ خط میں کچھ تو لکھتے اس کے بارے میں۔"

"انکل... آ... کیا... جائے۔" بدیعہ کی آواز
نے اسے چونکایا تھا اور وہ طویل سانس لے کر سیدھا
ہو بیٹھا تھا۔

"بدیعہ بیٹھو کچھ باتیں کرنی ہیں۔" وہ کپ
دے کر جانے لگی تو وہ بولا تب وہ واپس پلٹ آئی تھی
کچھ بولی تو نہیں البتہ استفہامیہ نظروں سے اسے
دیکھنے لگی تھی اور اس نے ہشام احمد کے خط سمیت وہ
لفافہ بھی اس کی طرف بڑھا دیا تھا جسے تھام کر وہ
پوچھنے لگی تھی۔ "کیا ہے؟"

"خود دیکھ لو۔" وہ بولا تو وہ جواب بنا کھڑی
تھی، لفافے سے کاغذات نکالتی ہوئی بیڈ کے ایک
سرے سے ٹک گئی تھی۔

"تم کچھ کہو گی نہیں؟" اور جب کاغذات
دیکھنے کے بعد وہ خط بھی پڑھ چکی تو وہ پوچھنے لگا۔

"کیا کہوں انکل؟" اس کے سوال میں
حیرانی واضح تھی۔

"تمہیں اعتراض تو نہیں ہے اپنے پاپا کے
اس فیصلے سے جس میں انہوں نے مجھے تم لوگوں کا سرپرست بنا
دیا ہے۔"

"نہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ پاپا نے
کچھ سوچ کر ہی فیصلہ کیا ہوگا۔ ہاں اگر آپ ہماری
ذمہ داری لینا نہیں چاہتے تو انکار کر سکتے ہیں۔" آخری
جملہ اس نے بہت دھیمی آواز میں ادا کیا تھا۔

"میں کیوں انکار کروں گا تم نے یہ سوچا
کیوں؟" وہ خفا تھا اس کی بات پر۔
"انکل آپ تو شروع سے تنہا رہتے آئے
ہیں۔ اب ایک دم سے ہمارا بار آپ پر آگیا ہے کاشی
بھی بہت پریشان کرتا ہے آپ کو اتنا تنگ ہوں
میرے پاپا آصف کے پاس سوچا کرتے مگر تب نہیں
ہے انکل آپ تو عادی نہیں ہیں نا ان سب باتوں
کے اس لیے میں نے سوچا اگر آپ چاہیں تو ہمیں
چھوڑ کر جاسکتے ہیں۔" اس کی آواز اب بھی دھیمی ہی
تھی۔ سر بھی جھکا ہوا تھا اس نے پھر بھی اس کے لہجے
میں آنسوؤں کی نمی اس نے محسوس کرلی تھی۔
"میری بات چھوڑو تم کیا چاہتی ہو یہ بتاؤ
مجھے۔"
"میں کچھ نہیں چاہتی انکل آپ کی مرضی
چاہیں تو رہیں چاہیں تو چلے جائیں۔"
"مطلب یہ کہ میرا یہاں رہنا نہ رہنا
تمہارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا؟"
"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" اب کی اس نے
سر اٹھایا تھا۔
"تمہارا مطلب تو یہی تھا ناں۔"
"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا انکل۔ میں تو
بس آپ کی پریشانی کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔"
"میری پریشانی؟"
"ہاں آپ عادی نہیں ہیں نا فیملی میں رہنے
کے۔"
"ہاں پہلے نہیں تھا مگر اب ہوگیا ہوں" وہ
مسکرایا۔ "اور تمہیں میری فکر کرنے کی کوئی ضرورت
نہیں ہے۔ ہشام بھائی نے جو ذمہ داری مجھے سونپی
ہے اسے نبھانے کو میں بخوشی تیار ہوں۔ آج کے بعد
کبھی یہ مت سوچنا کہ تم لوگوں کی وجہ سے مجھے کسی
تکلیف یا پریشانی سے دوچار ہونا پڑا ہے۔"
"تھینکس انکل" وہ مسکرائی تھی۔
"ہشام بھائی نے بتایا تھا تم بی۔ اے کا
ایگزام دینے والی تھیں" کچھ سوچ کر وہ پوچھنے لگا۔

"ہاں" اس نے سر ہلا دیا۔
"تو پھر پیپرز کب ہیں تمہارے؟"
"وہ تو ہو بھی چکے"
"کب؟ تم نے دیے؟"
"ہاں کافی دن ہوگئے"
"یعنی ہشام بھائی کی وجہ سے [illegible]
ایگزام سے فارغ ہوچکی تھیں؟"
"جی میرے پیپرز ختم ہونے کے بعد پا[illegible]
بعد پاپا کی ڈیتھ ہوئی تھی مگر آپ یہ کیوں پوچھ رہے
ہیں انکل" وہ بتا کر پوچھنے لگی۔
"پیپرز ختم ہونے کے بعد ہشام بھائی [illegible]
سے کوئی بات کی تھی" وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا کہ
کے تاثرات سے کچھ اخذ کرسکے مگر اس کے چہرے
حیرانی کے سوا کوئی اور تاثر نہیں تھا۔
"کون سی بات انکل۔ آپ کیا کہنا چاہ رہے
ہیں صاف صاف کہیے نا۔ مبہم باتوں سے مجھے
الجھن ہوتی ہے۔"
"میرے تعلق سے ہشام بھائی نے کوئی
بات کی تھی تم سے؟"
"نہیں تو آپ کے تعلق سے پاپا کیا بات
کرتے مجھ سے؟" وہ الجھنے لگی تھی۔
"کچھ نہیں، جاؤ تم" نفی میں سر ہلا کر [illegible]
نے چائے کا خالی کپ اسے تھما دیا تھا مگر وہ جانے
کے بجائے کہنے لگی۔
"نہیں انکل مجھے بتائیے کیا بات ہے
آپ کے تعلق سے مجھ سے کون سی بات کرتے پاپا
تھے تو کرتے کیسے۔"
"کوئی بات نہیں ہے بدیعہ تم جاؤ۔"
"نہیں آپ بتائیں مجھے۔" وہ بضد ہوئی۔
"جب انہوں نے کچھ نہیں کہا تو جانے دو
تم یہ کاغذات لے جاؤ سنبھال کر رکھ دینا۔"
"انکل مجھے بتائیں کیا بات کہنا چاہتے تھے
پاپا" وہ مصر تھی۔
"بدیعہ پلیز جاؤ۔" وہ قدرے درشتی

ہوا تو وہ چند لمحوں تک کھڑی اسے بے یقینی سے دیکھتی رہی پھر پاپ کے ساتھ کا فقرات بھی لے کر چلی گئی تھی۔

"میں اب کیا کروں؟" وہ آنکھوں کا مسیحا بیڈ پر لیٹ گیا تھا۔ "ہشام بھائی نے اس سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔ کہیں انہوں نے اپنا ارادہ تو نہیں بدل دیا تھا۔"

"نہیں اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنی بیوی اور بچوں کی ذمہ داری مجھے کیوں سونپتے۔"

"تو کیا مجھے ہدیہ سے کہہ دینا چاہیے کہ ہشام بھائی کیا کہنا چاہتے تھے اس سے میرے متعلق۔"

"ہاں مجھے کہہ دینا چاہیے۔" وہ فیصلہ کر کے اٹھ بیٹھا تھا۔

"تم کیا کرنے جارہے ہو واثق عباس۔ وہ کیا سوچے گی کہ باپ کے مرتے ہی تمہاری نیت میں فتور آگیا۔ کیا وہ یقین کرے گی کہ تم اس سے وہی بات کہہ رہے ہو جو اس کا باپ کہہ نہیں سکا۔" اس خیال کے آتے ہی وہ سر تھام کر بیٹھ گیا تھا۔

"ہشام بھائی۔ کس مشکل میں ڈال گئے آپ مجھے۔ میں اس سے کہہ بھی دوں تو وہ یقین ہی کیوں کرنے لگی وہ تو بدگمان ہوجائے گی مجھ سے۔ یہ سوچنے لگے گی کہ آپ کے اٹھتے ہی اس کے متعلق سے میری نیت خراب ہوگئی۔ نہیں اسے بدگمان نہیں کرسکتا میں۔" وہ تکلیف دہ سوچوں میں گھر چکا تھا۔

☆☆☆

رہائشی مکان ہشام احمد کو ان کے محکمہ کی جانب سے دیا گیا تھا اور اب جبکہ ان کی وفات ہوچکی تھی تو محکمہ کی جانب سے مکان خالی کرنے کا نوٹس موصول ہوا تھا اور وہ پانچوں سخت متوحش ہوگئے تھے۔

"اب ہم کہاں رہیں گے۔ پاپا نے تو کوئی دوسرا گھر بھی نہیں بنایا۔ گاؤں کا گھر بھی ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے۔ بس کھیت ہیں اور کھیت میں ہم کیسے رہ سکتے ہیں؟" سب سے زیادہ بے چینی کاشف کو تھی۔

"کھیت میں نہیں رہ سکتے تو کیا ہوا کاشی ہمارے گھر میں تو رہ سکتے ہو ناں۔" کاشف کی طرف دیکھ کر مسکرا کر کہنے لگا۔ ساتھ ہی ان چاروں کو بھی دیکھا تھا جو بہت خاموش بیٹھے تھے اس کے کہنے پر بھی کچھ نہیں بولے تھے۔

"آپ کے گھر میں ہم کیسے رہ سکتے ہیں انکل؟" کاشف ہی بولا تھا۔

"جب میں تمہارے گھر میں رہ سکتا ہوں تو تم لوگ میرے گھر میں کیوں نہیں رہ سکتے۔ کیوں کیا کہتے ہو آصف؟" وہ پہلے کاشف سے کہہ کر ان چاروں کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"ہم کیا کہہ سکتے ہیں انکل۔ کچھ کہنے کی پوزیشن میں ہی نہیں ہیں۔" آصف دھیمی سی آواز میں بولا۔

"کیوں کیا ہوا تمہاری پوزیشن کو۔" اس نے کہتے ہوئے آصف کو خود سے لگایا تھا۔

"یار تم لوگ یہ بات اپنے ذہن سے کب نکالو گے کہ تم سب مجھ پر بار ہو؟"

"شاید کبھی نہیں انکل۔" واصف بولا تھا۔

"غصہ دلانے والی بات مت کیا کرو۔ سمجھے تم۔" اس نے نرمی سے ٹوکا تھا پھر کہنے لگا۔

"پندرہ دنوں کے اندر ہمیں یہ مکان خالی کردینا ہے۔ بس تو تم لوگ اپنے اپنے سامان کی پیکنگ شروع کردو۔ ٹھیک ہے نا ہدیہ؟" وہ اس سے پوچھنے لگا تو اس نے سر ہلادیا تھا۔

"او گاڈ انکل یہ اتنی شاندار کوٹھی آپ کی ہے!" اور جب وہ ان سب کو لے کر اپنے گھر آیا تو صائمہ حیرت و مسرت سے چیخ ہی پڑی تھی۔ اور اس نے ہشام احمد کی موت کے بعد پہلی بار صائمہ کی آواز میں وہ چہکار سنی تھی جیسی ہشام احمد کی زندگی میں وہ محسوس کرتا تھا۔ ان کی موت کے بعد تو وہ بالکل ہی گم صم ہوگئی تھی مگر آج پھر پورے دو ماہ بعد وہ اس کی چہکار سن رہا تھا۔

"کتنی شاندار کوٹھی ہے اور اتنا خوبصورت لان سچی بتانا انکل، یہ آپ ہی کی ہے نا۔" وہ پوچھ رہی

تھی۔

"ظاہر ہے۔" وہ مسکرایا تھا۔

"پھر آپ تو بہت امیر ہوئے نا۔ پھر آپ کو ضرورت کیا تھی جاب کرنے کی۔ انکل آپ کو تو بزنس مین ہونا چاہیے تھا۔"

"امیر ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ہوا کہ میں بہت امیر ہوں۔" وہ پھر مسکرایا تھا۔

"پھر کیا مطلب ہوا؟"

"صائمہ کیا بے وقوفوں جیسی بات کر رہی ہو۔ پاپا نے ہمیں بتایا تو تھا انکل کے بارے میں۔" بدیعہ نے ٹوکا تھا۔

"او ہاں۔" صائمہ جیسے کچھ یاد کر کے کہنے لگی۔ "تو کیا انکل واقعی آپ نے اپنے پاپا کی ساری پراپرٹی خیرات کر دی تھی اس کوٹھی کے سوا۔"

"ہوں۔" وہ بس طویل سانس لے کر رہ گیا تھا۔

"انکل یو آر ریلی گریٹ۔ خیر میں کہہ رہی ہوں۔ سب سے اچھا کمرہ میں لوں گی۔" وہ بولی تھی۔

"بے شک تمہیں جو سب سے اچھا کمرہ لگے تم وہ لے لو اور سنو یونہی رہا کرو چہکتی ہوئی سی۔ ہشام بھائی کے بعد آج پہلی بار میں نے تمہاری آواز میں زندگی پائی ہے۔" اس نے مسکرا کر محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"تھینکس انکل۔" صائمہ کی آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔

"اونہوں رونا نہیں۔" اس نے فوراً ٹوکا پھر ان سب سے کہنے لگا۔ "بھئی تم لوگ ابھی تک کھڑے کیوں ہو۔ جاؤ جا کر اپنے کمرے سیٹ کرو۔ یہ گھر اب تم سب کا بلکہ ہم سب کا ہے۔ کیوں کاشی ہے نا؟" وہ کہہ کر کاشف سے پوچھنے لگا۔

"ہاں انکل مگر میں تو آپ کے پاس ہی سوؤں گا۔" کاشف بولا تھا۔

"کاشی تم بچپنا کب چھوڑو گے؟" بدیعہ نے ک دیا تھا۔

"رہنے دو۔" بدیعہ کاشی کو ... میں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔" وہ دوبارہ ...

"انکل میں اپنے لیے کمرہ پسند کر ...

اسی پل صائمہ کی آواز آئی تھی وہ ... میں کھڑی تھی۔

"بہت اچھی بات ہے چلو بھئی تم ... سیٹ کرو اپنا سامان۔" وہ کہتا ہوا زینوں کی ... بڑھا تو وہ چاروں بھی اس کے پیچھے چل ...

☆☆☆

"انکل آفس جاتے ہوئے ... چھوڑتے جائیے گا۔" اس روز وہ ناشتے کی ... بدیعہ بولی تھی۔

"کہاں؟" وہ ٹھٹکا تھا۔

"آج انٹرویو ہے میرا۔ میں نے ایک ... اپلائی کیا تھا جاب کے لیے۔ آپ جاتے ہوئے ... وہاں چھوڑتے جائیے گا۔ آپ کے بیورو والے ... پڑتی ہے اس فرم کا دفتر۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"تو تم جاب کرو گی؟"

"ہاں۔"

"لیکن کیوں؟"

"کیوں کا کیا سوال انکل۔" وہ ... لگی۔ "آخر ہم کب تک آپ پر بار بنے رہیں گے ... جینے کے لیے خود کفیل تو بننا ہی پڑے گا۔"

"تم سب اب بھی خود کفیل ہو بدیعہ تم لوگوں ... پر میرا ایک پیسہ نہیں خرچ ہوا ہے۔ تم سب کے ... ہشام بھائی کی زمینوں کی آمدنی ہی کافی ہے۔"

"ان زمینوں سے کتنی آمدنی ہوتی ہے ... پتا ہے انکل آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم لاعلم ہیں۔" وہ ... تھی۔ "پاپا کی زندگی میں ان زمینوں کی آمدنی ... علاوہ پاپا کی سیلری کا ایک بڑا حصہ بھی ہم سب کی ... اور دیگر ضروریات پر خرچ ہو جاتا تھا۔ میں جاب ... چاہتی ہوں انکل کیونکہ ہمارے سامنے لمبی زندگی پڑی ہے۔ آصف اور واصف کو اپنا کیریئر بنانا ہے۔ صائمہ کی شادی کرنی ہے۔ کاشی کے بارے میں بھی ...

تک سوچا ہی نہیں ہو گا سب میں اصل میں ان دونوں کے
دل و دماغ میں آکر انکل کی ٹھیک ہے جس دونوں کی
آمدنی ہے اور ہے روز مرہ کے اخراجات پورے
ہو جاتے ہیں مگر انکل نہیں پھر بھی امداد بھی کرتے ہے
اور ہم یہیں جاب کر کے ان کی مدد کریں گی نا۔"

"ہاں انکل آپی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" واصف اس کی تائید میں بولا تھا۔ "میں اور آصف بھی پڑھائی کے علاوہ کوئی چھوٹا موٹا کام کرنے کی سوچ رہے ہیں۔ آپ ہمیں ہاں بات کو۔"

"ہاں میں سمجھ رہا ہوں تم لوگوں کو کیا کرنا ہو گا۔" وہ ناشتے سے ہاتھ کھینچ کر قدرے ناراضگی سے کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔

"دیکھا کیا تھا ہوں میں نے کہ انکل کو ان باتوں کے کوئی ضرورت نہیں تھی ان سے یہ سب باتیں کرنے کی۔" صائمہ بولی تھی۔

"تم تو چپ ہی رہو تمہاری طرح بے فکری سے نہیں بیٹھ سکتے ہم۔" آصف بولا۔

"تم لوگوں کو کیوں فکر ہے اتنی کس چیز کی کمی ہے ہمارے پاس۔ اچھی خاصی آمدنی ہے، بے فکری سے گزر رہے ہیں۔ رہی بات تم دونوں کے کیریئر کی تو یکسوئی سے پڑھائی کرو کیریئر اپنے آپ بن جائے گا اور آپی رہی آپ کی مستقبل کے لیے کچھ رقم پس انداز کرنے کی بات تو اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آصف واصف اپنا کیریئر بنالیں گے تو کاشف کے لیے رقم خود بخود نکل آئے گی۔ آپ بس اب چھوڑ دیں ہماری فکریں کرنا۔ کچھ اپنے بارے میں بھی سوچ لیا کریں۔" صائمہ عموماً بولتی نہیں تھی مگر جب بولتی تو سب کی بولتی بند کر دیتی تھی۔ "اب بیٹھے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ جاؤ سوری کرو انکل سے خفا ہو کر گئے ہیں ناشتہ چھوڑ کر آپ بھی جائیں آپی وہ بولی تو تینوں اٹھ کر واثق کے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے۔

"انکل جا رہے ہیں آپ ناشتہ بھی ٹھیک سے نہیں کیا۔" وہ راہداری میں ہی مل گیا تھا۔ فل یونیفارم میں ملبوس تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا وہ رکا نہیں تھا۔

"انکل ناشتہ تو کر لیں نا۔" وہ آصف واصف سمیت اس کے پیچھے لپکی تھی۔

"پیٹ بھر گیا میرا تمہاری باتیں سن کر۔" وہ رک کر کہنے لگا۔ "ٹھیک سوچا ہے تم لوگوں نے تم جاب کر لینا اور تم دونوں چھوٹے موٹے کام کرتے رہنا۔ کافی رقم جمع ہو جائے گی پھر ایک مکان خرید لینا اور اسی میں شفٹ ہو جانا۔ میرے گھر میں میرے ساتھ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

غزل

محمد شفیع ایاز

دوستوں کی دشمنی کا غم نہیں
میرا اپنا غم ہی ویسے کم نہیں

زندگی کی رگ رگ پہ زخم عشق کا
گھاؤ گہرا ہے کوئی مرہم نہیں

ایک طوفان موجزن الفاظ کا
میرے شعروں میں مگر وہ دم نہیں

وہ میری دنیا میں شامل چار سو
اس کی یادوں میں مگر اک ہم نہیں

اک زمانہ ہو گیا ایاز اب تو
ساز ٹوٹا، لے نہیں، سرگم نہیں

"انکل سوری"۔ شمیں شرمندہ سے لگ رہے تھے۔

"ہم تو بس ایسے ہی [illegible] کب تک آپ ہماری فکر کریں گے۔ آپ کی اپنی زندگی بھی تو ہے آپ کی اپنی ضروریات بھی تو ہیں۔" وہ پھر سے بولی تھی۔

"تم کون سی زبان سمجھو گی بیٹا تاکہ وہ تمہاری زبان میں سمجھاؤں کہ تمہیں کہ تم سب میرا ایک ہی طرح [illegible] ہو۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"انکل چلیں اب معاف کر دیں عادت پڑ گئی ہے آپی کو دنیا بھر کی فکریں پال کر بیٹھنے کی۔" صائقہ بھی بولتی چلی آئی تھی۔

"تم کہہ رہی ہو اس لیے معاف کر دیتا ہوں"۔ وہ مسکرایا تھا۔ "لیکن اس شرط کے ساتھ کہ پھر کبھی یہ مسئلہ نہیں چھیڑا جائے گا کبھی پھر بھی کرو گی ایسی باتیں؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا جو سر جھکائے کھڑی تھی۔

"نہیں"۔ وہ نفی میں سر ہلا کر مسکرائی تھی۔

"انکل اب چلیں ناشتہ کریں"۔ آصف اور واصف اس کا ہاتھ تھامے اسے ناشتے کی میز تک لے آئے تھے۔

"انکل تھینکس آپ بہت اچھے ہیں"۔ وہ بیٹھا تو واصف کہنے لگا۔ "ان فیکٹ ہم بھی جھجک رہے تھے آپ سے یہ باتیں کہتے ہوئے مگر جب آپی کہنے لگیں تو ہم بھی کہہ گذرے۔"

"دراصل تمہاری آپی یہ سوچ کر چل رہی ہیں کہ ہشام بھائی نے تم لوگوں کے لیے کچھ چھوڑا ہی نہیں ہے۔ حالانکہ زمینوں کی آمدنی کے، بینک بیلنس وغیرہ کے تمام کاغذات اسی کے پاس ہیں پھر بھی یہ کچھ سمجھتی نہیں ہے"۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا جو اس کے لیے چائے بنا رہی تھی۔

"میں نے یہ سوچ کر نہیں کہا تھا"۔ اسے چائے دے کر وہ بولی تھی۔

"پھر کیوں جاب کرنا چاہ رہی تھیں؟"

"کاشف کے لیے سوچا تھا [illegible] چھوٹے ہیں ابھی آصف واصف کو کیا [illegible] پڑھ لکھ کر اپنی شادی وادی کر کے اپنی [illegible] ہو جائیں گے تو پھر [illegible] میں کون [illegible]" وہ اپنی [illegible] میں بول رہی تھی۔

"او کے!! آپی آپ ایسا سمجھتی ہیں ہمیں؟" آصف واصف بگڑ سے بیٹھے تھے۔

"ویسے آپی نے کچھ غلط نہیں سوچا تم لڑکے ہوتے ہی ایسے ہو۔ بیوی پاتے ہی والدین سے آنکھیں پھیر لیتے ہو پھر بھائی یا بہن کس شمار قطار میں ہیں؟" صائقہ نے کہہ کر دونوں کو مزید تاؤ دلا دیا تھا۔

"صائقہ کی بچی کیا بولیں تم بھی [illegible]" دونوں اس کی طرف لپکے تھے مگر وہ ہاتھ نہ آئی تھی انگوٹھا دکھا کر بھاگ گئی تھی۔

"او کے میں چلوں" وہ چائے کا خالی کپ رکھ کر ہنستا ہوا اٹھ گیا تھا۔ "اور سنو سدا بھائیوں اور بہن کی ہی فکریں نہ کیا کرو۔ کچھ اپنے بارے میں بھی سوچا کرو" اسے دیکھ کر وہ بولا تھا۔

"ان کی فکر تو اب ہم کریں گے انکل آپ دیکھتے جائیں" واصف بولا تھا۔

"پچی آپی بہت تاؤ دلایا ہے آج آپ نے اب دیکھنا ہم بتائیں گے کہ ہم بھی آپ ہی کے بھائی ہیں" آصف نے کہا تھا۔

"تمہیں برا لگا تو آئی ایم سوری۔ جو خدشہ ذہن میں تھا وہ آج زباں پر لے آئی"۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

"اچھا ہوا جو لے آئیں بس آپ کا یہ خدشہ آئندہ زندگی میں ہمیں آپ سے کبھی غافل نہیں ہونے دے گا آپی"۔

"مجھ سے نہیں آصف بس کاشف سے غافل مت ہونا"۔

"اور صائقہ سے؟"

"اس کی تو شادی ہو جائے گی نا۔ اس کا شوہر

اس کی فکر کرنے کے لیے۔"

"تو پھر آپ کی شادی؟" وہ جو دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا آصف کے سوال پر ہدیٰ کا جواب سننے کے لیے کچھ دیر وہیں ٹھہر سا گیا تھا۔

"میری شادی" وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولی تھی۔ "کاشی کے بڑے ہونے تک تو میں بوڑھی ہو جاؤں گی پھر شادی کا کیا سوال؟"

"خدایا تو نے اس لڑکی کو کس مٹی سے بنایا ہے پلیز اسے میرا مقدر کر دے۔" وہ زیر لب کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ بہن کی بات کے جواب میں آصف یا وصف نے کیا کہا وہ سننے کے لیے رکا نہیں تھا۔

☆☆☆

"ہدیٰ میری یونیفارم کی جیب میں کچھ کاغذ......" وہ پوچھتا ہوا لاؤنج میں آیا تھا لیکن اس کے ساتھ کسی اجنبی لڑکی کو بیٹھا دیکھ کر بات پوری کیے بغیر ہی واپس پلٹ گیا تھا۔

"کیا ہوا انکل کچھ کہہ رہے تھے؟" وہ پوچھتی ہوئی اس کے پیچھے اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

"ہاں وہ میری یونیفارم جو تم نے دھونے رکھی ہے اس کی جیب میں کچھ ضروری کاغذات تھے۔ تم نے نکالے تھے؟" وہ پوچھنے لگا۔

"ہاں وہ میں نے آپ کی فائلوں والی دراز میں رکھ دیے تھے۔ ملے نہیں کیا وہاں؟"

"ہوں گے وہیں میں نے ابھی تک وہاں دیکھا نہیں تھا۔" وہ کہتا ہوا میز کی دراز کھولنے لگا تھا۔

"یہ ہیں نا؟" اس نے میز کی دراز کھول کر جائزہ لیا تو وہ پوچھنے لگی۔

"ہاں" اس نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ واپسی کے لیے پلٹ گئی تھی۔

"اچھا سنو" اس نے پکار لیا۔

"جی" وہ رک کر مڑی۔

"کون تھی وہ تمہارے ساتھ؟"

"میری سہیلی۔"

"تمہاری سہیلی؟" وہ جانے کیوں حیران ہوا۔

"سہیلی کہاں سے ہو گئی؟"

"آپ کو ایسا لگا کہ تمہاری کوئی سہیلی نہیں ہو سکتی ہے۔ اصل میں وہ میری پہلی ہی سہیلی ہے پھر اسے کیسے بھول سکتی ہوں۔" وہ مسکرا دیا تھا۔

"میں نے انہیں بلایا تھا انکل وہ خود ہی آئی ہیں۔" وہ بھی مسکرا دی تھی۔

"اچھا اب کیا اس پاس رہتی ہے کہیں؟" وہ پوچھنے لگا۔

"نہیں میں ایگزام دینے جاتی تھی تب ہی اس سے بات چیت ہوئی تھی اور پھر ہم تو ایسے بھول ہی گئی تھیں لیکن پرسوں وہ مجھے مارکیٹ میں مل گئی میرا پتا پوچھنے لگی میں نے بتایا تو آج ملنے چلی آئی۔" اس نے تفصیل سے بتایا تھا۔

"اچھا ہے انسان کا ایک دوست تو ضرور ہونا چاہیے" وہ بولا۔

"آپ کا ہے کوئی دوست؟"

"ہاں احتشام بھائی تھے نا؟"

"وہ تو اب نہیں رہے۔"

"پھر بھی میں ان سے باتیں کر لیتا ہوں۔" وہ مسکرا دیا۔ "خیر تم جاؤ کیا سوچے گی تمہاری سہیلی کہ اسے اکیلا کر کے چھوڑ دیا ہے۔" وہ بولا تو وہ سر ہلا کر چلی گئی تھی۔

"کون تھا وہ ہینڈسم؟" وہ جونہی ثمین کے پاس آ کر بیٹھی وہ پوچھنے لگی۔

"کون؟" وہ غالباً سمجھی نہیں۔

"ارے وہی جو ابھی یہاں آیا تھا۔" ثمین بولی۔

"انکل ہیں میرے۔"

"تمہارے انکل؟" ثمین اچھل پڑی۔

"ہاں کیوں!" وہ اس کی حیرت پر حیران ہوئی۔

"دھت انکل بھلا ایسے ہوتے ہیں۔ اتنے

"...کیا کہتی ہو؟"
"کیں پاپا کے کولیگ تھے اس لیے ہم
انہیں انکل کہتے ہیں۔"
"تم بھی انکل ہی بولا کرو؟"
"ہاں۔"
"اور انکل تم آرہی ہو اور تمہی نے انکل بولا [illegible]
ہے ... [illegible] یمیں نے [illegible]
دیا تھا۔"
"اور کیا کہتی بیچاری" وہ خود حیران تھی۔
"شوہر تو ماشاء اللہ ہی نہیں ہے۔"
"شٹ اپ یمیں فضول بکواس مت کرو۔"
اس نے بربان کو ڈانٹ دیا تھا۔
"ٹھیک ہے تم انکل ہی بولتے رہنا۔ شوہر تو
میں مانوں گی اسے ایسا۔" یمیں کھل کر ہنس رہی تھی۔
پھر وہ کچھ دیر اور بیٹھ کر وہ چلی گئی تھی اور وہ اپنی روز
مرہ کی مصروفیات میں مگن ہو گئی تھی۔ یمیں کی بات پر
اس نے کوئی توجہ نہیں دی تھی مگر اس وقت اس کے دل
کو کچھ ہوا تھا جب اس نے یمیں کے پاپا کو لاکر
ڈرائنگ روم میں بیٹھایا تھا۔ یمیں کے جانے کے تین
دن بعد وہ آئے تھے گیٹ اسی نے کھولا تھا اور وہ
پوچھنے لگے تھے۔
"تم حدید ہو؟"
"جی مگر میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔" وہ بولی
تھی۔
"میں عابد زیدی ہوں۔ یمیں تمہاری
دوست، میری بیٹی ہے۔" انھوں نے تعارف دیا تو وہ
انہیں ڈرائنگ روم میں لے آئی تھی۔
"مجھے واثق عباس سے ضروری بات کرنی
ہے۔ کیا وہ گھر میں ہے؟" صوفہ پر بیٹھتے ہی وہ پوچھنے
لگے۔
"جی ہیں میں بھیجتی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی چلی
گئی تھی اور جب چائے کی ٹرے اٹھائے ڈرائنگ
روم میں داخل ہونا ہی چاہ رہی تھی کہ معاً واثق کی آواز
نے قدم روک لیے تھے وہ عابد زیدی سے کہہ رہا تھا۔

"نہیں مسٹر زیدی مجھے آپ کی بیٹی سے
شادی نہیں کرنی۔"
"[illegible]"
"نہیں [illegible]
پلیز ایک بار پھر سوچ لیں [illegible]
انداز وہ [illegible] تھا۔
"مسٹر واثق فیصلہ میں جلدی نہ کریں [illegible]
سوچ کر [illegible] میں انکار کرسکتا ہوں [illegible]"
[illegible] تھے۔
"سوچنے کے بعد بھی میرا یہی جواب ہو گا
آپ انکار کی زحمت نہ کریں۔" اس کا انداز
دو ٹوک تھا۔ "ٹھیک ہے آپ کی بیٹی [illegible]
ہے۔ اس رشتے کے تحت وہ جب چاہے اس گھر
آسکتی ہے لیکن کسی اور رشتے کے تحت میں اسے اس گھر
میں آنے کی بھی اجازت نہیں دوں گا۔"
"ٹھیک ہے مگر اتنے واضح انکار کی وجہ بھی تو
بتائیں مجھے آپ۔"
"وجہ بتانا ضروری نہیں ہے۔ اتنا کہہ دینا
کافی ہے کہ مجھے آپ کی بیٹی سے شادی نہیں کرنی پلیز
آپ جاسکتے ہیں۔" وہ بولا تھا اور عابد زیدی اٹھ کر
چلے گئے تھے تب وہ جو چائے کی ٹرے لیے راہداری
میں کھڑی تھی کچن میں واپس چلی آئی تھی۔
"یمیں کی بچی نے ایسا کیوں سوچا ان
بارے میں۔" اسے یمیں پر تاؤ آیا تھا۔
"سوچ لیا تو کیا ہوا تم کیوں جل رہی ہو تم
تو انکل کہتی ہو ناں انھیں" اس کے اندر سوال و جواب
شروع ہو چکے تھے۔
"مجھے انکل تو نہیں ہیں نا وہ تو پاپا کے کولیگ
تھے اس لیے۔"
"یہ صفائیاں کیوں پیش کررہی ہو۔ سیدھے
سیدھے اقرار کرلو ناں کہ یمیں کا ان کی طرف جھکاؤ
تمہیں پسند نہیں آیا۔"
"ہاں نہیں آیا۔"
"مگر کیوں؟"

"کیونکہ کیوں بھئی......؟" اور اس کیونکہ میں وہ کئی دنوں تک الجھی رہی تھی۔

"تو خدا ایسا کیوں ہوا میرے ساتھ۔ میں کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی کہ واثق عباس میرے دل کی چاہ بن گئے ہیں۔" بہن اور بھائیوں سے اپنی کیفیت چھپائے وہ متوحش سی پھرتی تھی مگر کب تک......؟ ایک دن تو کسی نے چونکنا ہی تھا اور صائمہ چونک گئی تھی۔

"آپی کیا بات ہے آج کل کچھ عجیب سی ہو رہی ہیں آپ؟" اس روز صائمہ نے پوچھ لیا تھا۔

"کیوں کیا عجیب لگ رہا ہے تمہیں مجھ میں؟" اس نے طویل سانس لی تھی۔

"کچھ تو عجیب لگ رہا ہے چپ چپ سی رہنے لگی ہیں۔ وہ آپ کے فکر مندی والے مخصوص آپ کے جملے سنائی نہیں دے رہے ہیں۔ آپی آپ کو کیا مسئلہ ہے؟"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جاؤ تم کام کرو اپنا۔" صائمہ کو تو اس نے ٹال دیا تھا مگر خود فکر میں پڑ گئی تھی۔

"یا اللہ اب کیا ہوگا آج صائمہ چونکی ہے کل اگر واثق چونکے تو......؟"

"تو کیا ہوا۔ انھیں بتا دو ناں کہ ان کی چاہ کر بیٹھی ہو۔"

"کیسے بتادوں، وہ کیا سوچیں گے، اب تک تو انکل کہتی آئی ہوں اور اب......؟"

"وہ بابا! آئی مس یو ویری مچ"۔ خود سے الجھتے الجھتے وہ تھکنے لگی تھی۔ "آپ کیوں چلے گئے پاپا۔ اب میں اپنی پرابلم کس سے شیئر کروں۔ صائمہ یا کسی اور سے کہنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ وہ سب کیا سوچیں گے میرے بارے میں۔ آپ ہوتے تو میں آپ سے بلا جھجک کہہ دیتی کہ آپ سے زیادہ مجھے کوئی اور تو نہیں سمجھتا تھا ناں پاپا"۔ اپنے ہی حال پر رونا آگیا تھا اسے اور وہ تاریک برآمدے کی سیڑھیوں پر گھٹنوں میں منہ دیے بیٹھی رو رہی تھی جب واثق کی آواز سماعتوں میں گونجی تھی۔

غزل

چوہدری محمد عبدالوہاب جذب

آتے بھی نہیں مجھ کو بلاتے بھی نہیں ہیں
خوابوں میں بھی آ کے ستاتے بھی نہیں ہیں

راہوں میں بچھا دیتے ہیں بس کانٹے ہی کانٹے
بھولے سے بھی پھول کھلاتے بھی نہیں ہیں

جی میرا بہت چاہتا ہے پھوٹ کے روؤں
غم دیتے ہیں پر مجھ کو رلاتے بھی نہیں ہیں

اندھیرا ہوا جاتا ہے سمجھانے کا گہرا
اک شمع تبسم کی جلاتے بھی نہیں ہیں

باتوں کے دھنی ٹھہرے یہ ارباب سیاست
جو دل ہیں جدا ان کو ملاتے بھی نہیں ہیں

میں جن کی محبت میں جلا موم کی مانند
مرقد پہ کبھی شمع جلاتے بھی نہیں ہیں

کھڑکی سے کبھی جھانک کے دیتے نہیں درشن
دیدار کی مے مجھ کو پلاتے بھی نہیں ہیں

مدت سے پلک تک نہیں جھپکی مری اے جذب
زلفوں کی ہوا دے کے سلاتے بھی نہیں ہیں

"بدیعہ یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" اس نے پوچھا تھا اور اس نے فوراً سر نہیں اٹھایا تھا چپکے سے آنسو پونچھے تھے پھر کھڑی ہوگئی تھی۔ غنیمت تھا کہ بتی بجھی تھی۔ تاریکی کے سبب وہ اس کے تاثرات نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"چلو سو جاؤ جاکر"۔ وہ بولا تھا۔

"جی"۔ وہ فقط اسی قدر کہہ کر اندر چلی گئی تھی۔

"اور سنو"۔ پیچھے سے اس نے پکارا تھا۔

"نہیں۔۔۔" وہ ری گھبرائی ہوئی تھی۔
"رو کیوں رہی تھیں؟" وہ پوچھتا ہوا پیچھے
سے اس کے آگے آرکا تھا۔
"نن۔۔۔ نہیں تو" وہ گھبرائی تھی۔
"جھوٹ نہیں بولنا۔ میں اندھیرے میں بھی
دیکھ سکتا ہوں" ۔۔۔ وہ مسکرایا تھا۔ "بتاؤ کیوں رو رہی
تھیں؟"

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ پاپا کی یاد آرہی تھی اس لیے" وہ
بمشکل کہہ سکی تھی۔
"کیوں روتی ہو پاپا کی یاد میں۔ اکیلی تو
نہیں ہو تم۔ کیا میں نہیں ہوں تمہارے ساتھ؟"
"سوری" وہ دھیمی سی آواز میں بولی تھی۔
"خیر! جاؤ سو جاؤ" ۔ وہ کہتا ہوا اپنے کمرے
کی جانب چلا گیا تو وہ بھی طویل سانس لے کر اپنے
کمرے میں چلی آئی تھی۔
"واثق میں تو آپ سے کبھی نہیں کہہ پاؤں
گی کہ آپ کو کیا مان چکی ہوں" ۔ سوچوں میں گم وہ
سونے کی سعی کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

چھٹی کا دن تھا۔ واثق اور تینوں بھائیوں کے
ساتھ صائمہ بھی کرکٹ کھیلنے میں لگی ہوئی تھی اور وہ
حسب عادت کچن میں مصروف تھی جب فون کی بیل
بجنے لگی تھی۔ وہ سب باہر لان پر تھے اور اندر آکر
ریسیور اٹھانے والے نہیں تھے اس لیے وہ ہی کچن
سے نکل کر فون تک چلی آئی تھی۔
"واثق سے بات کرا دیں پلیز۔ اس کا سیل
آف جا رہا ہے" ۔ اس کی ہیلو کے جواب میں دوسری
جانب سے کہا گیا تھا۔
"ایک منٹ ہولڈ کریں آپ میں بھیجتی
ہوں" ۔ وہ ریسیور میز پر ڈال کر تیزی سے دروازے
کی جانب بڑھی تھی۔
"واثق آپ کا فون ہے" ۔ اسے آواز دے کر
وہ فوراً ہی پلٹ کر اندر چلی گئی تھی اور وہ گیند صائمہ کی
طرف اچھال کر اندر چلا آیا۔ فون ریسیو کیا پھر وہیں

[illegible] کمرے سے [illegible] پوچھنے لگا۔
تھی۔ آج بھی اس نے اس کے [illegible]
انکل کے [illegible] تھا۔ وہ کچن [illegible]
وہ پانی تو اس کا کام ہے [illegible]
آپ آپ کیوں کر رہی ہیں اور [illegible]
"نہیں ہو انکل۔ کہاں رہ گئے [illegible]
ہو" ۔ اسی وقت کاشف کی تیز آواز [illegible]
تھا۔

"تم لوگ کھیلو یار آرہا ہوں میں [illegible]
نے اندر سے ہی جواب دیا پھر باہر جانے کے [illegible]
کچن کے دروازے پر آرکا تھا۔
"بدیعہ مجھے تم سے کچھ بات کرنی [illegible]
بولا تو وہ جو اپنے کام میں مصروف تھی پہلے تو [illegible]
اس کی جانب مڑے بغیر ہی بولی تھی۔
"کہیے میں سن رہی ہوں" ۔
"میرا ایک کولیگ ہے فراز" ۔ وہ کہنے لگا۔
"ایک دن کسی کام سے یہاں گھر [illegible]
میرے پاس تب اس نے صائمہ کو دیکھا تھا۔ اس [illegible]
مجھ سے بات کی تھی، وہ صائمہ سے شادی کرنا [illegible]
ہے۔ اچھا بندہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں صائمہ کو [illegible]
رکھے گا۔ تم صائمہ کو خوش رکھے گا۔ تم صائمہ سے بات
کرو اور مجھے بتاؤ کہ وہ کیا کہتی ہے۔ مجھے فراز کو جواب
دینا ہے وہ اپنی امی کو بھیجے یا نہیں۔"
"جی میں بات کروں گی صائمہ سے" ۔ وہ بولی
تھی۔

"جلدی کرنا کیونکہ فراز کو جلدی ہے۔ ابھی
امی کا فون تھا۔ کوشش کرنا صائمہ کو راضی کرنے کی میں
نے فراز کو ہر لحاظ سے بہتر پایا ہے" ۔ وہ کہہ کر چلا گیا تھا
اور پھر اگلے دن جب شام کو ڈیوٹی آف کرکے لوٹا
اور اس نے چائے لا کر دی تو وہ پوچھنے لگا۔

"تم نے بات کی صائمہ سے؟"
"ہاں!" اس نے طویل سانس لی تھی۔
"کیا کہا اس نے؟"
"وہ منع کر رہی ہے۔ میں نے تو بہت سمجھایا

"مگر۔۔۔" وہ جملہ مکمل کیے بنا چپ ہو گئی۔
"کیوں منع کر رہی ہے، کوئی خاص وجہ؟"
"مجھے نہیں پتا کوئی وجہ۔ آپ بات کریں شاید آپ کی بات مان لے۔ مان گئی تو اچھا ہی ہوگا۔"

"کہاں ہے صائمہ؟"
"اپنے کمرے میں ہوگی۔" وہ بولی پھر چائے کا خالی کپ لے کر چلی گئی تو وہ اٹھ کر صائمہ کے کمرے میں چلا آیا وہاں صائمہ کے ساتھ آصف واصف اور کاشف بھی موجود تھے۔ وہ دونوں تو بیٹھے پڑھ رہے تھے جب کہ صائمہ کاشف کو پڑھا رہی تھی۔
"صائمہ کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ میرے کمرے میں آؤ۔" وہ کہہ کر جانے کے لیے پلٹ گیا تھا مگر صائمہ کی بات پر رکنا پڑا جو کہہ رہی تھی۔
"جو بھی بات ہے یہیں کریں انکل۔"
"او کے تم تینوں جاؤ مجھے صرف صائمہ سے بات کرنی ہے۔" وہ تینوں سے بولا۔
"کہیں نہیں جائیں گے انکل۔ آپ کو جو کہنا ہو ان کے سامنے کہیے۔" صائمہ بولی تو وہ تینوں جو اپنی کتابیں سمیٹ کر اٹھنے لگے تھے دوبارہ بیٹھ گئے تھے۔

"او کے۔" وہ کہتا ہوا ان سب کے پاس بیڈ پر ہی بیٹھ گیا تھا۔ چند لمحوں تک کچھ سوچتا رہا پھر کہنے لگا۔ "بدیعہ نے کوئی بات کی تھی تم سے۔ تم نے انکار کیوں کیا؟"

"میری مرضی۔" وہ بے پروائی سے بولی۔
"صائمہ بی سیریس۔ فراز اچھا بندہ ہے۔"
"آپ کہتے ہیں تو ضرور ہوگا انکل مگر مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔"
"کیوں! حرج کیا ہے؟"
"کوئی حرج نہیں ہے مگر پہلے آپی کی شادی ہونی چاہیے اس کے بعد انکل آپ چاہے جس سے میری شادی کر دیں میں منع نہیں کروں گی۔" صائمہ بولی تو اس نے طویل سانس لی تھی پھر کہنے لگا۔

غزل

شاہد ساگری۔ بھوپال

آنے جانے کے سلسلے بھی نہیں
ایک مدت ہوئی ملے بھی نہیں

راہ پر خار سے نکل آیا
میرے پاؤں میں آبلے بھی نہیں

ہر طرف دشمنی کے شعلے تھے
یہ الگ بات گھر جلے بھی نہیں

اب تو آ جاؤ، وقتِ رخصت ہے
اب تو شکوے نہیں گلے بھی نہیں

ایک مدت سے دل کے گلشن میں
پھول امید کے کھلے بھی نہیں

نام لکھتا ترا، مٹا دیتا
اب وہ فرصت کے مشغلے بھی نہیں

ان سے پوچھا محال ہے شاہد
آستینوں میں جو پلے بھی نہیں

"ٹھیک ہے میں بدیعہ سے بات کرتا ہوں۔ دیکھتا ہوں اس کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ۔"
"کیوں آپی کے لیے کسی اور کو کیوں دیکھیں گے آپ۔ کیا آپ نہیں ہیں ان کے لیے۔ بتائیں انکل؟" صائمہ کے سوال پر ساکت سا ہو کر وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ کچھ کہہ ہی نہیں سکا تھا۔ "بتائیں نا انکل کیا ہماری آپی کو آپ سے اچھا کوئی اور مل سکتا ہے اور کیا وہ ہماری آپی سے اتنی محبت کر سکتا ہے جتنی آپ کرتے ہیں؟" صائمہ زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ

مشعل راہ

☆ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

☆ "جو شخص کسی کو تحفتاً کوئی چیز دے کر واپس لے لے۔ وہ اس کتے کی طرح ہے جو اپنی کی ہوئی قے کو چاٹتا ہے۔"

☆ "اگر کسی شخص کو کوئی تحفہ دیا جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کا بدلہ دے۔ اگر وہ بدلہ دینے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ تعریف کے رنگ میں اس کا ذکر کرے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو گویا اس نے شکر کا حق ادا کر دیا۔ اگر اس نے تعریف کا ایک کلمہ تک نہ کہا تو گویا وہ ناشکری کا مرتکب ہوا۔"

(ابوداؤد کتاب الادب باب فی شکر المعروف)

(امان اللہ انجم بلتی)

کہہ رہی تھی اور وہ بس خاموش سا آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ "آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں کچھ جانتی نہیں ہوں۔ میں سب جانتی ہوں انکل آپ کی چاہت بھی اور پاپا کی خواہش بھی میں نے آپ اور پاپا کی وہ باتیں سنی تھیں جو آپ دونوں نے آپی کے لیے کی تھیں۔ پھر پاپا کی ڈیتھ ہو گئی اور آپ ہمارے ساتھ رہنے لگے تو میں نے سوچا اب آپ آپی سے شادی کریں گے مگر آپ پتا نہیں کیوں خاموش ہیں۔ اتنے دن گزر گئے انکل، سات آٹھ مہینے پھر بھی آپ آپی سے اتنی سی بات نہیں کہہ پائے کہ ان سے محبت ہے۔ کیوں انکل؟" صائمہ پوچھ رہی تھی۔

"ہاں نہیں کہہ پایا۔ میں ڈرتا ہی رہا کہ کہیں وہ مجھ سے بدگمان نہ ہو جائے۔"

اب کی وہ بولا تھا۔

"آپی کیوں بدگمان ہو گئیں انکل؟" واصف پوچھنے لگا۔

"یار وہ مجھے انکل کہتی ہے۔" وہ بے چارگی سے بولا تھا۔

"بچی تھیں۔" آصف نے فوراً تصحیح کی تھی۔

"اب تو نہیں کہتی ناں۔ پھر کیوں چپ ہیں آپ کیا آپ نے وہ نہیں محسوس کیا انکل جو ہم نے کیا ہے؟"

"ہاں محسوس تو کیا ہے۔"

"تو پھر یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہیں آپ۔ جائیے ناں ان سے بھی تو کہیے۔" صائمہ مسکرا کر بولی تھی۔

"اس سے میں کیا کہوں یار؟"

"او ہو اب ہمیں یہ بھی بتانا پڑے گا۔ انکل آپ اتنے ڈفر کیوں ہیں۔" آصف اور واصف ایک ساتھ ہنسے تھے تب وہ بھی کسمسا کر ہنستا ہوا اٹھ گیا تو صائمہ کہنے لگی۔

"ابھی جا کر بات کریں۔ ابھی جائیے انکل۔"

"ہوں جا رہا ہوں مگر تم بھی سن لو، تمہارے لیے میں فراز کو ہاں کہنے والا ہوں۔"

"چاہے جس سے کہیں۔ آئی ڈونٹ کیئر۔ میرے لیے اہم نہیں ہے۔ اہم تو یہ ہے کہ میں نے اپنی آپی کے لیے آپ سے ہاں کہلوائی ہے۔"

"تھینکس صائمہ ورنہ میں تو شاید کبھی نہ کہہ پاتا۔" وہ کہتا ہوا اس کے سر پر چپت لگا کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

"کیا ہوا! کیا کہا صائمہ نے، کیا مان گئی؟" اور جب وہ نیچے ہال میں آیا تو وہ پوچھنے لگی۔

"ہاں مان تو گئی ہے مگر ایک شرط ہے اس کی۔" وہ مسکرایا تھا۔ "اگر تم اس کی شرط پوری کر دو تو وہ فراز سے شادی کرنے پر راضی ہے۔"

"شرط میں پوری کروں؟" وہ قدرے ٹھٹکی تھی۔

"ہاں۔ تم ہی کر سکتی ہو کیونکہ تم سے متعلق ہی ہے۔ بتاؤ ناں؟" وہ پوچھنے لگا۔

"جی بتایئے میرے بس میں ہوا تو ضرور پوری کروں گی۔"

"وہ کہہ رہی ہے پہلے تمہاری شادی ہونی چاہیے تب ہی وہ اپنی شادی کے لیے راضی ہوگی۔"

"تو کردیں میری شادی۔" وہ کہہ کر اس کی جانب سے رخ موڑ کر کھڑی ہوگئی تھی۔

"ہاں۔ کرتو دوں مگر کس سے؟" وہ بے ساختگی سے مسکرایا تھا۔

"جس سے چاہے کردیں۔"

"تم بتاؤ تم کس سے کرنا چاہتی ہو؟ کوئی پسند ہے تمہاری؟"

"نہیں میری کوئی پسند نہیں ہے۔" وہ ہنوز رخ موڑے کھڑی تھی۔

"کوئی نہیں ہے؟"

"نہیں کوئی نہیں ہے۔" وہ بولی تھی اور وہ مسکرایا تھا پھر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے اپنی جانب گھمایا تھا۔

"کوئی بھی نہیں ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔" اس نے سر قدرے جھکا لیا تھا اور اسے دیکھنے سے گریز کررہی تھی۔

"سچ کہہ رہی ہو؟"

"ہاں"

"سچ کہہ رہی ہو تو سر اٹھا کر کہو ناں۔" اس نے کہتے ہوئے اس کا چہرہ اونچا کیا تھا۔

"اب کہو کہ کوئی پسند نہیں ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں ہے۔" اس نے نگاہیں پھیر لی تھیں۔

"کیا میں بھی نہیں ہوں؟" اس کے سوال پر اس نے جھٹکے سے جھکا سر اٹھایا تھا۔

"آ...... آپ" حیرتیں واضح تھیں نگاہوں میں۔

غزل

نسیم سحر

[illegible] افلاک دیکھو تو
ہماری خاک دیکھو تو

کمال خوش لباسی ہے
گریباں چاک دیکھو تو

بدن پہ سج گئی مٹی!
نئی پوشاک دیکھو تو

نہیں ہے منکشف کچھ بھی
حد ادراک دیکھو تو

عطائے موسم گل ہے
خس و خاشاک دیکھو تو

حدود لامکانی میں
مری افلاک دیکھو تو

ابھی ہے آگ، اب میری
سلگتی راکھ دیکھو تو

مری آنکھیں کسی غم میں
ہیں کیوں نمناک، دیکھو تو

نسیم اس سے یہ کہنا ہے
دل صد چاک دیکھو تو

غزل

شاہ حسین نہری (اورنگ آباد)

اس راستے پہ روز کا جانا نہیں رہا
اب نام کو بھی شاہ تماشا نہیں رہا

اب کون کہہ سکے گا کسی کو برا یہاں
اچھا ہوا کہ کوئی بھی اچھا نہیں رہا

اپنا مجھے خیال تھا اک شخص کے سبب
اپنے کو میرا اب وہ سجانا نہیں رہا

مجھ میں مرے خیال میں رہتی ہے کشمکش
جائے وہاں کہ جانا جہاں کا نہیں رہا

ہونا نہ ہونا میرا برابر ہے شاہ جی
ہونا تھا جس کو میرا وہ میرا نہیں رہا

”ہاں میں“ وہ مسکرایا تھا۔ ”کیا میں پسند نہیں ہوں بتاؤ۔ اتنا برا تو نہیں ہوں یا ہوں؟“

”ہاں ہیں بہت برے ہیں آپ اتنی دیر لگادی اتنی سی بات کہنے میں“۔ اس کے سینے پر گھونسے مارتی ہوئی وہ شدتوں سے رو پڑی تھی۔

”پھر اور کیا کرتا میں انکل جو بنا رکھا تھا تم نے“ اس نے مسکراتے ہوئے اسے سمیٹ لیا تھا۔

”منع نہیں کر سکتے تھے جیسے“۔

”ڈرتا تھا بدیعہ تم بدگمان ہو جاتیں تو میرے پاس تو پھر کچھ نہیں بچتا“۔ وہ دھیمے لہجہ میں کہہ رہا تھا۔ ”ہشام بھائی سے تو بات کر لی تھی میں نے مگر وہ تم سے نہ کر سکے اور ان کے بعد میں یہ سوچ کر خاموش رہ گیا کہ کہیں تم یہ نہ سمجھ لو کہ ان کے بیٹے نیت خراب ہو گئی۔ اگر تم ایسا سمجھتیں تو محض کرنے کے لیے میرے پاس کوئی نہیں تھا، چاہت کرنے کے لیے کہ شاید خواہش بھی مگر آج میرے پاس ثبوت تو موجود ہے کہ تو پیش کر دوں۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور والوں کی زبان میں بات نہ کریں مجھ سے“

”تو پھر کس زبان میں بات کروں؟“

”کیوں آپ کی اپنی زبان نہیں ہے“ وہ مسکرائی تھی۔

”اپنی زبان استعمال کروں گا تو تمہیں پڑے گی میرے سامنے جب کہ میں فی الحال تمہیں بھر کر دیکھنے کے موڈ میں ہوں اس لیے اپنی زبان استعمال اس وقت کروں گا جب کہ تم میرے سامنے سے بھاگ ہی نہ سکو۔“ وہ مسکرا رہا تھا۔

”کیوں“ باندھ کر رکھیں گے کیا؟“

”یقیناً اپنی چاہت کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال دوں گا چاہو گی بھی تو ان ہتھکڑیوں سے چھٹکارا نہیں پا سکو گی۔“

”میں ایسا کیوں چاہنے لگی۔ میں تو مرتے دم تک پہنے رہوں گی ہتھکڑیاں کیا زنجیریں بھی“۔

”ہاں میں کیا بولیں پھر سے کہنا“۔

”میں بار بار نہیں کہتی“۔

”مگر میں تو بار بار سننا چاہتا ہوں“۔

”انکل سب کچھ آج ہی سن لیں گے تو شادی کے بعد آپی آپ کو آٹے دال کا بھاؤ ہی سنایا کریں گی کہ اسی میں ایکسپرٹ جو ہیں“۔ صائمہ سمیت تینوں بھی ہنستے ہوئے ان دونوں کو گھیر چکے تھے۔

”یہ سنا کر تو بتائے۔ وہ حشر کروں گا کہ یاد رکھے گی“۔ وہ بھی ہنسا تھا اور وہ اسے گھورتی ہوئی سب کے درمیان سے بھاگ گئی تھی۔

☆☆ختم شد☆☆